تعمیرِ حیات

شعبہ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

ایمان کی شرط

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم اس میں ایمان نہیں، خدا کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کون؟ فرمایا جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

(بخاری مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جنت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جس کے شر سے اس کے ہمسایہ کو امن نہ ہو۔

٦ ذی قعدہ ١٣٩١ھ مطابق
٢٥ دسمبر ١٩٧١ء

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ (٨) قیمت فی پرچہ ٣٥ پیسے

Regd No L 1951

FORTNIGHTLY

Phone 23948

TAMEER-E-HAYAT

Darululoom Nadwatululama, Lucknow. (India)

الأدب العربي

بين عرض ونقد

(قیمت صرف چار روپے)

معلم الإنشاء

جزيرة العرب

تذکرہ
حضرت مولانا فضل رحمٰن

دہلی اور اس کے اطراف

ملنے کا پتہ

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Cover Printed at Nadwa Press Lucknow

۲۵ر دسمبر ۱۹۷۱ء

تعمیر حیات

پندرہ روزہ — لکھنؤ

مطابق

۶ر ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ

چندہ
سالانہ ۸ روپے
ششماہی ۴ روپے
فی کاپی ۳۵ پیسے

شعبہ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۹ — شمارہ ۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوت کا ایک ناگزیر مرحلہ

تبلیغ و دعوت کے مراحل میں جو ایک اہم اور نازک مرحلہ پیش آتا ہے وہ یاس و قنوطیت ہے۔ جو لوگ دعوت کے کام سے کسی نہ کسی طرح متعلق ہیں ان کو اس کا خوب تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی ایک علاقہ یا شہر میں پوری تندہی سے کام کرنے کے باوجود خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوتی بعض وقت کامیابی کی ساری شرائط اور اسباب کی موجودگی میں سخت ناکامی کا سامنا ہوتا ہے، کبھی مخالفتوں، مزاحمتوں اور راہ کی دشواریوں سے عاجز آکر داعی ہمت چھوڑ بیٹھتا ہے اور اس کو عزلت اور گوشہ گیری میں عافیت نظر آتی ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب دعوت کے قدرتی نشیب و فراز اور فطری مراحل ہیں جن سے گزرنا لازمی ہے اور آخری کامیابی اسی کو حاصل ہوتی ہے جو ان سے بھی گزر جاتا ہے اور اس آزمائش پر پورا اترتا ہے۔

دعوت و تبلیغ کا مقصد اگر ہم متعین کر لیں تو پھر شاید زیادہ الجھن اور ذہنی انتشار سے ہم کو واسطہ نہ پڑے۔

مایوسی و اضمحلال کے پیچھے یہ خواہش کام کرتی ہے کہ کام کا جو پیمانہ اور کامیابی کا جو معیار ہم نے متعین کیا ہے وہ پورا ہو جائے۔

اکثر اس کے پیچھے یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ اتنے آدمی ہمارے دائرہ اثر میں آجائیں دعوت کے پھیلاؤ کا رقبہ اتنا وسیع ہو جائے ہمارے متبعین یا معتقدین و عقیدت مندوں کی تعداد زیادہ ہو۔ حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو یہ بات درست نہیں۔ فطری طور پر یہ خیالات ہر بشر کے دل میں آتے ہیں لیکن ایک مقصد کی حیثیت سے ان کی کوئی قیمت نہیں اور ان کو نشاط عمل اور مقصد کی لگن میں کسی وقت حائل نہ ہونا چاہیے۔ اسی موقع کے لئے قرآن مجید میں آتا ہے۔ (بشرکہ من فضل اذا ھدی بسم ... [illegible]) اگر آخرت صحیح معنی میں ہمارے سامنے ہو، خدا کے حکم کی تعمیل اپنے جذبات سے زیادہ ہم کو عزیز ہو، تعمیل حکم کی لذت اور رضائے الٰہی کی اولیت ہماری نگاہوں میں دولت دنیا سے زیادہ بیش قیمت اور قابل ترجیح ہو تو پھر راستہ کی وقتی دشواریاں اور مقاصد دعوت میں عارضی ناکامیاں ہمارے اندر پست ہمتی پیدا کرنے کے بجائے ایثار و خود شکنی اور سرخوشی و سرمستی کی کیفیت پیدا کریں گی اور ان سے ہماری اصلاح و ترقی اور تہذیب نفس کا سامان مہیا ہوگا۔

اس سلسلہ میں احتساب کائنات سے زیادہ احتساب نفس کی ضرورت ہے خدا کی بے نیازی اور ناراضی اور شریعت کی مخالفت و سرتابی کے ساتھ آئی ہوئی دولت اور نقد کامیابی مومن کے لئے کوئی قیمت نہیں رکھتی اور خدا کی خوشنودی اور حکم شریعت پر عمل کے ساتھ بڑی سے بڑی دنیاوی دولت کا ہاتھ سے نکل جانا اس کے لئے کبھی رنج و حزن کی بات نہیں ہوتی۔

انسانوں کی اصلاح، رشد و ہدایت اور دعوت و تبلیغ کا سارا کارخانہ اسی لئے ہے کہ اس کے ذریعہ خود ہماری اصلاح ہو، ہمارے رشد و ہدایت کی سبیل پیدا ہو، ہمارے درجات بلند ہوں، ہمارے گناہ معاف ہوں اسلئے اگر ناکامی کے ساتھ ہمیں یہ دولت ملتی ہے تو ایسی ظاہری ناکامی دنیا کی ہزاروں کامیابیاں اور فتحمندیاں قربان اور اگر اس دنیا میں سب کی اصلاح ہو جاتی سب اللہ کے نیک مقبول بندے بن جاتے ہیں، ہر جگہ ایمان و یقین کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں، اور توبہ و اصلاح کی دولت ارزاں و عام ہو جاتی ہے لیکن ہم کو اس کا کوئی حصہ نصیب نہیں ہوتا تو ہمارے لئے اس کا عدم اور وجود سب برابر ہے۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ دعوت کا پھیلاؤ اتنا ضروری اور ناگزیر نہیں جتنا اس کا نکھار اور گہرائی ہے۔

عرب و عجم اور شرق و غرب آج جس جگہ نظر ڈالئے گا یہی صدا سنائی دے گی "مصطفٰے نایاب و ارزاں بولہب"

لیکن کیا اس کا نتیجہ یہ نکلنا چاہیے کہ ہم دعوت کا کام چھوڑ دیں اور سر رشتۂ امید منقطع کر لیں ہرگز نہیں۔

قرآن مجید دعوت کے اس نازک ضروری اور اہم مرحلہ کے ذکر سے بھرا ہوا ہے اس لئے اہل دعوت اور تمام اہل ایمان کو قرآن مجید کے مطالعہ اور تدبر سے زیادہ سے زیادہ مدد ملے گی اور اس میں آپ کو اپنے ہر زخم کا مرہم ہر درد کا درماں ہر اشکال کا حل ہر سوال کا شافی و کافی جواب مل جائے گا۔

ومن اصدق من اللہ حدیثا — اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا اور کون ہو سکتا ہے

(قرآن مجید)

ع۔ ح

قرآن کا پیام

(از: مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی)

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝

آپ کو اس امر میں کوئی دخل نہیں (اللہ) خواہ ان کی توجہ قبول کرے، خواہ انہیں عذاب دے اس لئے کہ وہ ظالم ہیں اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے، اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا رحمت والا ہے۔ اے ایمان والو سود کئی کئی حصہ بڑھا کر نہ کھاؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اور مغفرت کی طرف جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے دوڑو اور جنت کی طرف (دوڑو) جس کا عرض سارے آسمان اور زمین ہیں اور جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

(اور اس لئے فوری عذاب کے مستحق)

روایتوں میں آتا ہے آپ نے چند شریر اور موذی قسم کے کافروں کے حق میں بددعا کی تھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی

یتوب علیہم یعنی انھیں قبول اسلام کی توفیق دے دے۔ اتنے ہی ٹکڑے سے ظاہر ہو گیا کہ کافروں میں سے کچھ ضرور ایمان لے آئیں گے، چنانچہ لے آئے۔

یعذبہم یعنی اسی دنیا میں عذاب دیدے

لیس لک من الامر شیء ان الفاظ سے بھی ظاہر ہو گیا، کہ مشیت الٰہی میں دخل کسی مخلوق اور بندے کو نہیں۔ یہاں تک کہ مقرب ترین بندے کو بھی نہیں، چہ جائیکہ کسی ولی کسی بزرگ کو اس کی مشیت میں دخیل سمجھ لیا جائے!

(سو معاملہ مغفرت و رحمت کرنے کے لئے اسے کسی خاص سبب کی ضرورت نہیں)

یغفر لمن یشاء یہ مغفرت اس کے عام قانون رحمت کے ... ق ہوگی۔

یعذب من یشاء یہ عذاب اس کے خاص قانون حکمت کے ماتحت ہوگا۔

وللہ .... الارض یعنی اسی ایک معاملہ پر کیا موقوف ہے زمین و آسمان کی ساری ہی حکومت میں دخل و تصرف اللہ ہی کا ہے —— نہ کوئی اس کا شریک، نہ کوئی اس کا وزیر، نہ کوئی اس کا مشیر۔

اللہ کی ملکیت زمین و آسمان کے لئے ملاحظہ ہو سورۃ البقرۃ کے آخری رکوع کے شروع کا حاشیہ۔

(اور فلاح کا لفظ دنیوی، اخروی، و شخصی و اجتماعی ہر قسم کی فلاح کو جامع ہے)

واتقوا .... تفلحون۔ تقویٰ اور فلاح کا یہ لزوم بتا کر گویا اس حقیقت کا اظہار کر دیا کہ فلاح و کامیابی، یا دنیا میں عافیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا راز، احکام تقویٰ پر عمل کرنے میں ہے۔

لعلکم۔ لعلّ۔ کے لفظی معنی "عجب نہیں" کے ہیں لیکن اوپر گزر چکا ہے کہ لعلّ جب وعدۂ الٰہی کے بیان میں آتا ہے تو اس کے مفہوم میں بجائے شک و تردد کے یقین پیدا ہو جاتا ہے اور ترجمہ "تاکہ" سے صحیح ہوتا ہے۔

لا تاکلوا الربٰو یعنی سود کا کاروبار لین دین کو بالکل حرام سمجھو۔ حرمت سود پر حاشیے پارۂ سوم پر ختم سورۂ بقرہ کے قریب گزر چکے۔

الربٰو سے مراد وہی ربا ہے جس سے اہل جاہلیت خوب واقف تھے نہ کہ مطلق "ربا" اپنے لغوی معنی یا زیادتی کے مفہوم میں۔

اضعافا مضاعفۃ سود کی خاصیت ہی یہ ہے کہ جو مفلس ہیں وہ مفلس تر اور جو امیر ہیں وہ امیر تر ہو جاتے ہیں۔ آیت میں سود کی اسی دوگنے چوگنے ہو جانے والی وصف کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مراد نہیں کہ سود مرکب نہ لو اور سود مفرد لے سکتے ہو۔

متکلمین نے کہا کہ آیت سے فرقۂ مرجیہ کا رد نکل رہا ہے جن کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان کے بعد کوئی معصیت کفر نہیں اور نہ مومن کے لئے کسی حال میں دوزخ کا عذاب ہے۔

آیات احکام میں نازل ہونے والی یہ سب سے آخری آیت ہے۔

یعنی جہنم کی آگ اصلاً ہے تو کافروں کے لئے لیکن حق کافروں کے سے اعمال کر کے اپنے کو اس کی لپیٹ میں نہ لے آنا —— آئمہ تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو سود خواری کو عقیدۃً حلال سمجھتے تھے اور اس لئے حدود کفر میں داخل تھے۔

امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ یہ قرآن مجید کی بہت زیادہ ڈرانے والی آیت ہے کہ اس میں دوزخ سے جو حقیقتہً کفر کی سزا ہے، ان لوگوں کو بھی ڈرایا گیا ہے جو اللہ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزوں سے نہیں بچتے

لعلّ پر حاشیہ

لعلّ پر حاشیہ اوپر گزر چکا ہے۔

واطیعوا یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت خوشدلی کے ساتھ کرو۔

آیت سے واضح ہو گیا کہ رحمت الٰہی کے طلب و جذب کرنے کا ذریعہ اللہ اور رسول کی اطاعت ہی ہے۔

(اپنے اعمال کے ذریعہ سے)

الیٰ مغفرۃ من ربکم ہر مومن کو منتہائے عمل اور حاصل زندگی یہی مغفرت پروردگار ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام محض ایک سلبی حقیقت کا نام نہیں محض گناہوں سے بچنا کافی نہیں بلکہ مسلمانوں کو حکم اس کا بھی ملا ہے کہ اسلام کے ایجابی پہلو کا بھی پورا حق ادا کریں، نیکیوں کی جانب لپکیں اور اس طرح جنت کو حاصل کر کے رہیں جو رضائے الٰہی کا محل اور ظہور رحمت کاملہ کا مقام ہے۔

عرضھا السمٰوٰت والارض وہ بے انتہا وسیع ہے اس میں سب کی گنجائش ہے۔ وہاں چپقلش اور ازدحام تنگی گنجائش کا احتمال ہی نہیں۔ جنت کی ٹھیک پیمائش بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کی بے انتہا وسعت اور گنجائش کا اظہار مقصود ہے۔ عربی محاورہ میں انتہائے وسعت کے اظہار کا یہی پیرایۂ ادا ہے

اسلام

دونوں جہاں کی بادشاہی

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں دین اور دنیا دونوں کی برکتیں لے کر آئے۔ آپ نے صرف آسمانی بادشاہت کی خوشخبری نہیں سنائی بلکہ آسمانی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بشارت دی تاکہ دنیا میں خدا کی بندگی بے خوف وخطر کی جا سکے اور خدا کی بادشاہی دنیا میں قائم ہو۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً۔

(نور ع ۷)

خدا نے ان سے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کو زمین میں حاکم بنائے گا جیسا کہ ان کو حاکم بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لئے اس دین میں جس کو ان کے واسطے پسند کیا ہے جما دے گا اور ان کو اس کے بعد امن دے گا میری بندگی کریں گے، میرا کسی کو ساجھی نہ بنائیں گے۔

اور اس کے لئے خدا کے نافرمانوں سے لڑائی لڑی جائے تاکہ سارا حکم ایک ہی کا ہو جائے۔

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ۔ — اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فساد نہ رہے اور سب اللہ کا حکم ہو جائے۔

(انفال ع ۵)

قرآن نے خدا کے بعض نیک بندوں کی دعا یہ بتائی ہے

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار — اے ہمارے پروردگار، ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

(البقرہ ع ۲)

آخرت کی بھلائی تو معلوم ہے لیکن دنیا کی بھلائی ہمارے مفسروں نے یہ بتائی ہے علم و عبادت، تندرستی، روزی، مال و دولت، فتح و نصرت اور اولاد صالح مگر یہ بھی خدا کے اخلاق کی تعریف ہے دنیا کی بھلائی ہر وہ بھلائی ہے جو خدا کی مرضی میں جائز ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا۔

للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ ولدار الآخرۃ خیر ولنعم دار المتقین۔ (النحل ع ۴) — اور جنہوں نے بھلائی کی ان کے لئے دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے اور پرہیزگاروں کا گھر کیا ہی اچھا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ نیکوکاروں کے لئے دنیا کی بھلائی اور عزت بھی ہے اور آخرت کی بھی لیکن آخرت کی بھلائی دنیا کی بھلائی سے بہتر اور زیادہ خوب ہے

جن لوگوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانوں کی بازی لگائی ہو ان کو بشارت ہے۔

فآتاھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الآخرۃ واللہ یحب المحسنین — تو اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا بھلا ثواب عنایت کیا اور اللہ نیکی والوں کو چاہتا ہے۔

(آل عمران ع ۱۵)

دنیا کا ثواب فتح و نصرت، ناموری، عزت، مال و دولت اور حکومت و سلطنت ہے۔ جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور خوشی خوشی ہر طرح کی تکلیف جھیلی خدا نے ان کو دونوں جہاں کی نعمتیں بخشیں

والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الآخرۃ اکبر — اور جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے لئے مار کھانے کے بعد ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور بے شک آخرت کی مزدوری سب سے بڑھی ہے۔

(نحل ع ۶)

دنیا کا اچھا ٹھکانا دنیا کی ہر جائز نعمت اور سطوت و حکومت ہے۔ ان آیتوں میں یہ بات خیال کے قابل ہے کہ ایمان اور نیکی والوں کو گو دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ملتی ہے اور یہی اچھی اور پائیدار ہے اس لئے دنیا کی بھلائی ہماری زندگی کا اولین مقصد نہیں بلکہ ثانوی مقصد ہو یعنی آخرت کے کاموں کے صدقہ میں ہو ورنہ اگر دنیا ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیجئے تو دنیا مل جائے گی مگر آخرت ہاتھ نہ آئے گی۔

من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون اولئک الذین لیس لھم فی الآخرۃ الا النار وحبط ما صنعوا فیھا وباطل ما کانوا یعملون — جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش کو چاہے تو ہم ان کے عمل ان کو اس دنیا میں بھر کر دیتے ہیں اور ان کی کمی نہیں کی جاتی، یہ وہی ہیں جن کے لئے آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں اور وہاں جو کیا تھا اکارت گیا اور ان کی کمائی اکارت ہوئی۔

(ہود ع ۲)

من کان یرید حرث — جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہو

الآخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا وما لہ فی الآخرۃ من نصیب۔ — تو ہم اس کی کھیتی بڑھاتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم دنیا میں سے اس کو کچھ دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

(شوریٰ ع ۳)

من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیھا ما نشاء — جو کوئی چاہتا ہو دنیا عاجل کو تو ہم جلد دے دیتے ہیں

از: علامہ سید سلیمان ندوی

لمن نرید ثم جعلنا لہ جھنم یصلاھا مذموماً مدحوراً ومن اراد الآخرۃ وسعیٰ لھا سعیھا وھو مؤمن فاولئک کان سعیھم مشکوراً۔ — جس کو چاہتے ہیں پھر اس کے لئے دوزخ کو ٹھہرا دیا ہے اس میں داخل ہوگا برا ہو کر دھکیلا جا کر اور جو کوئی آخرت چاہے اور اس کی پوری کوشش کی اور وہ ایمان والا ہو تو وہی ہیں جن کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔

(بنی اسرائیل ع ۲)

من کان یرید ثواب الدنیا فعند اللہ ثواب الدنیا والآخرۃ۔ — جو کوئی دنیا کا ثواب چاہتا ہو (اس کو معلوم ہو کہ) اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے۔

(نساء ع ۱۹)

پھر وہ کتنا احمق ہے جو صرف دنیا کے ثواب کا طالب ہے حالانکہ خدا کے پاس تو دونوں جہاں کے خزانے ہیں۔

غرض یہ کہ جو تنہا دنیا کا طالب ہو وہ آخرت سے محروم ہے لیکن جو آخرت کا طلب گار ہے اس کے لئے دونوں گھروں کے دروازے کھلے ہیں۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت حکومت اور سلطنت اور دنیا کی سیاستداری ہے یہاں تک کہ کتاب اور نبوت کی دولت کے بعد اس کا درجہ ہے

فقد آتینا آل ابراھیم الکتاب والحکمۃ وآتیناھم ملکاً عظیماً۔ — تو ہم نے ابراہیم والوں کو کتاب اور حکمت دی اور بڑی سلطنت بخشی۔

(نساء ع ۸)

حضرت موسیٰ اپنی قوم کو کہتے ہیں

یٰقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکاً۔ — اے میرے لوگو! اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو جب تم میں نبی پیدا کئے اور تم کو بادشاہ بنایا۔

(مائدہ ع ۴)

یہ نعمت کسی کے دینے لینے سے نہیں ملتی ہے اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جس کو چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے

اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء — اے اللہ! سلطنت کے مالک تو جسے چاہے سلطنت [illegible]

اخوان سے کچھ اہم باتیں

از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی — ترجمہ از: شمس الحق ندوی

جامع ازہر میں جمعہ :- ابھی تک ہمیں اس کا اتفاق نہ ہوا تھا کہ قاہرہ کی مسجدوں میں سے کسی بڑی مسجد میں جمعہ پڑھتے اور جمعہ کی نماز میں شہری رسوم کو دیکھتے، (افسوس کی بات ہے کہ ہر شہر کا ایک خاص دینی رنگ، رسم و رواج بن گیا ہے جو ہر دوسرے شہر کے غیر دینی رسم و رواج سے مختلف ہوتا ہے جو مقامی عادات و اطوار سے تعلق رکھتا ہے اصلی دینی آداب سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔)

ہم لوگوں نے یہی طے کیا کہ آج جامع ازہر میں جمعہ پڑھیں گے، نماز جمعہ سے ایک گھنٹہ پہلے مسجد پہونچے اور دو ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھ کر بیٹھ گئے، قاری نے سورہ کہف پڑھنی شروع کی جس کا مصر میں زور سے پڑھنے کا معمول چلا آرہا ہے۔ قاری نے لاوڈاسپیکر پر پڑھنا شروع کیا، جیسے ہی وہ ایک آیت پڑھتا لوگ بلند آواز سے چیختے اس کی آواز کی لطافت و حسن کی تعریف کرتے مزید مکرر پڑھنے کا مطالبہ کرتے۔

اس ہنگامہ شور و شغب، آوازوں کے ٹکراؤ اور اس کی بلندی سے آدمی یہی سمجھتا ہے کہ وہ ہندوستان کے کسی میلے یا مجلس وغیرہ میں ہے، سب کہتے خدارا اللہ نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں اس سے ہمیں نوازنے میں بخل نہ کرو۔ دارے پھٹے، قاری کا حال یہ کہ ایک آیت پڑھتا پھر اس کو تین چار اور اس سے بھی زیادہ طرز و طریقہ سے دھراتا اور اپنی فنی مہارت کا مظاہرہ کرتا لوگ اس پر جھومتے اور چلاتے اور ہم لوگوں کا حال یہ کہ اس عجیب و غریب صورت حال پر حیران و ششدر، نہ ہم یہاں سے کہیں جا سکتے تھے، اور نہ اس طرز قرأت سے لطف اندوز ہو سکتے تھے اور اس کو غور سے سن سکتے تھے، مجھے تعجب ہوا کہ اہل ازہر اور اس کے علماء نے قرآن عظیم کی عظمت اور مسجد کے آداب کے ساتھ یہ نامناسب طریقہ اختیار کرنے کی اجازت کیسے دی، مسجد بھی وہ جو ازہر کی سب سے بڑی مسجد، اور اس کا دینی مرکز ہے، جہاں ہونے والی ہر بات سند بن سکتی ہے، گاؤں اور دیہاتوں کے لئے فتویٰ کی حیثیت رکھتی ہے، سب سے بڑے اسلامی ملک کی سب سے بڑی مسجد کی یہ نماز درحقیقت خوش کن نہیں تھی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اخوان المسلمین سے میری امید :- بعض عرب ممالک کی سیر کے بعد وہاں کے حالات سے واقف ہو کر میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ تحریک اخوان المسلمین اپنے مجوزہ خاکے کے مطابق اگر منظم و مضبوط ہو جائے تو عالم عربی کو اخلاقی گراوٹ، انتشار اور تیزی کے ساتھ خاص ہلاکت کی طرف بڑھنے سے انشاء اللہ بچا سکتی ہے اسی وجہ سے میں اس کو بڑی اہمیت دیتا ہوں مجھے اس سے محبت بھی ہے لیکن عشق است و ہزار بدگمانی کے اصول پر میں اپنے خیالات و تجربے جن کو میں نے ہندوستان کی سیاسی تحریکوں کے مطالعے سے حاصل کیا ہے ایک مخلص بھائی اور خاندان کے فرد کی حیثیت سے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

تین اہم نکات :- اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ دعوت کا طریق کار عوام کے دلوں میں مبادی ایمان کی تخم ریزی ہو؟ طریق کار کی جستجو ہیں اور تنظیم کو حصول اقتدار اور انتظامی امور پر مقدم رکھنا چاہئے، اس طریق کار کی درازی اور اس پر کارکنان تحریک کا ثابت قدم رہنا اور اس کے لئے جد و جہد کرتے رہنا دوسری منزلوں کو کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اور درخت اپنا پکا ہوا مرغوب پھل دینے لگتا ہے لیکن جب تحریک کے چلانے والے جلدی کرتے ہیں اور اس منزل کو بہت تیزی سے طے کرتے ہیں یا قوم میں دعوت پھیلائے بغیر یا اس کی تربیت کو پختہ کئے بغیر چھلانگ لگا کر سیاست و حکومت میں دخل دینے لگتے ہیں، تو درخت بار آور نہیں ہوتا یا اس کے پھل کچے اور ناقص ہوتے ہیں۔ ہمارے لئے دعوت اسلامی کی ابتدائی منزل کے حالات میں بڑا سبق ہے، دعوت کے منزل اول میں تیرہ سال مکہ میں صرف ہوئے اور کئی سال مدینہ منورہ میں لگے، عہد نبوی میں حکومت و تنظیم کی مدت دعوت و تبلیغ کی مدت سے بہت کم تھی، اور شاید اللہ نے اخوان کی اس دعوت کے ساتھ بھی خیر کا ہی فیصلہ فرمایا ہے اور ان کو دعوت کی پہلی منزل پر رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ اس وقت اقتدار کی دہلیز پر ہیں یہ فیصلہ خداوندی اس لئے ہوا کہ دعوت کا کام پختہ ہو جائے اس کے کارکن اچھی طرح تربیت یافتہ اور تجربہ کار ہو جائیں، اس کے اصول مضبوط و جاگزیں ہو جائیں، یہ بڑا اہم موقع ہے اخوان کا فرض ہے کہ اس کو غنیمت سمجھیں اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں دعوت کو پھیلانے، دلوں میں ایمان کا بیج بونے اور دینی لوگوں کی تربیت اور قوم کے سبھی طبقوں سے رابطہ قائم کرنے میں ایک لمحہ ضائع ہونے نہ دیں۔

ایسی شخصیتوں کا پیدا کرنا جو دعوت کے انتظام کو چلائیں اور افراد کو تیار کریں اہم ضرورت ہے

دوسرا نکتہ ایسے لوگ تیار کرنا ہے جو دعوت کے کام کو سنبھالیں اور اس کے انتظام کو چلائیں، لوگوں کی تربیت کریں اور ہر خلا کو پر کریں، ہر دعوت و تحریک یا انجمن چاہے وہ کتنی ہی مضبوط ہو اگر وہ مزید افراد نہیں تیار کرتی رہتی تو وہ خطرے میں ہے تھوڑے ہی عرصے میں اس کی با صلاحیت شخصیتیں یکے بعد دیگرے ختم ہوتی چلی جائیں گی اور شخصیتوں کے معاملے میں اس کا دیوالیہ ہو جائے گا۔

قلب و روح کو غذا پہونچانے کی ضرورت

تیسرا نکتہ قلب و روح کو ایسی غذا پہونچاتے رہنا جو داعیوں کے جوش نشاط کو باقی رکھے اور ان کی خرچ ہونے والی صلاحیت کا نعم البدل فراہم کرتی رہے، آدمی چراغ کی طرح ہے اگر اس کا تیل ختم ہو جائے تو وہ بجھ جائے گا، ہم نے بہت سی سیاسی تحریکوں اور دینی دعوتوں کو دیکھا، جن کے چلانے والوں نے اپنے آپ کو جیل خانوں اور طرح طرح کی مصیبتوں کے لئے پیش کیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد ان میں سستی پیدا ہو گئی، ان کا جذبہ ٹھنڈا پڑ گیا، اور وہ پیچھے کی طرف پلٹ آئے جدھر سے چلے تھے ادھر سے بھی پیچھے ہٹ آئے [illegible] بلکہ بعض اوقات بازاری لوگوں سے بھی گر گئے۔

ان تجربات سے معلوم ہوا کہ صرف وقتی جوش کا اعتبار نہیں اور نہ محض قربانی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، کمال تو یہ ہے کہ اس کو بقاء و دوام حاصل ہو اور یہ بات روحانی تربیت، دل کو ذکر و جلاوت ایمانی سے معمور کر کے حاصل ہو سکتی ہے۔

میں نے کہا کہ شیخ حسن البنا کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ان کے پاس ایک خداداد صلاحیت تھی وہ [illegible] بڑی شخصیت کے مالک تھے جسے خدا نے جامعیت کی [illegible] دعوت کی قیادت کے لئے تیار کیا تھا۔ وہ ان تمام [illegible] رکھتے تھے

تاہم معتمد علیہ لوگوں میں سے جو ان کے ساتھ رہے ہیں میں ان سے ان کی تفصیل سنا چاہتا ہوں اور ان کا طرز فکر معلوم کرنے کا خواہشمند ہوں۔

شیخ حسن البناء کی شخصیت اور ان کی خداداد صلاحیتیں

محمد فرید عبدالخالق صاحب نے شیخ کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی روحانی تربیت، اور مردم سازی کی طرف ان کی توجہ کا ذکر کیا اخوانیوں کی زندگی میں ان کے اثر و نفوذ اور ان سے ان کے گہرے تعلقات کا حال بیان کیا، انھوں نے بتایا کہ ہر اخوانی کو مع ان کے نام کے جانتے تھے، اور ان کی ذاتی باتوں کو ایک ایک گھنٹے تک غور سے سنتے تھے حتیٰ کہ اس وقت بھی جب کہ کام کی رفتار تیز ہوگئی، اور سخت سیاسی اور انتظامی امور تھا وہ مشغول ہو گئے اس وقت بھی وہ ایک روزنامہ کی نگرانی کرتے تھے اور کبھی کبھی پوری رات جاگ کر گزار دیتے تھے وزیروں سے ملاقات کرتے پریس کانفرنس میں شریک ہوتے۔

جماعت کی تربیت کی فکر:

لیکن وہ اکثر فرماتے کاش کوئی ان کاموں کی ذمہ داری سنبھال لیتا اور میں اخوان کے لئے فارغ ہو جاتا، جو باتیں میں نے شیخ کی بتھیں اس سے انہوں نے اتفاق کیا اور ان کے ساتھیوں نے تائید کی۔

جناب محمد خضر حسن صاحب سے ملاقات:

ہم لوگ رجمعیۃ الہند الاسلامیۃ) کے دفتر گئے اس کے چیف ایڈیٹر صاحب نے ہم لوگوں کو شام میں بیجنے آنے کو کہا وہاں ہم نے جامعہ ازہر کی کلیۃ اصول الدین کے سابق پروفیسر خضر حسین صاحب سے ملے، ان کے مضامین مختلف علمی رسالوں میں چھپتے تھے اور ہم ان سے واقف تھے اور دینی و ادبی علوم کے ایک ماہر کی حیثیت سے ان کو پہچانتے تھے۔

استاد حسن خضر اور جامعہ زیتونہ کے بارے میں کچھ معلومات

میں نے ان سے پوچھا کہ آپ مصر میں کتنے دنوں سے ہیں؟ انھوں نے مجھے بتایا کہ مصر میں رہتے ہوئے اس وقت تیس سال ہو رہے ہیں، میں اصل میں الجزائر کا باشندہ ہوں میری پیدائش تیونس میں ہوئی، مصر آنے سے پہلے تقریباً دس سال سوریہ اور دیگر شہروں میں گزارے تیونس کے جامعہ زیتونہ سے فراغت حاصل کی اور جاپان میں بھی رہے، میں نے ان سے پوچھا جامع زیتونہ میں اور جامع ازہر میں زیادہ پرانا اور بڑا کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا ازہر زیادہ پرانا ہے طلبہ کی تعداد اور ترقی میں اس کے بعد زیتونہ کا نمبر ہے اس وقت بھی دس ہزار طالب علم ہیں جب کہ تیونس کی آبادی ۳۵ لاکھ سے زائد نہیں۔

اس کے بعد انہوں نے بتایا کہ انھوں نے رد قادیانیت پر بھی کچھ کام کیا ہے، قادیانیت اور ان کی بعض شخصیتوں کے بارے میں بعض سوالات کئے اور اپنی تصنیفات میں سے بعض کتابیں ہم کو ہدیہ کیں۔

جن میں سے ایک رسالہ اصلاح ہے جو ان کے دینی اجتماعی، اخلاقی مضامین کا مجموعہ ہے، یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے (آداب الحرب فی الاسلام) اور (خواطر الحیاۃ) جو ان کے اشعار کا دیوان ہے اور (طائفۃ القادیانیۃ) انھیں دیکھ کر اور ان سے باتیں کر کے ہندوستان کے بہت سے باوقار اور متبحر علماء یاد آگئے۔

۱۳ / ۵ ء مطابق ۱۹ / ۲ / ۵۱

آثار قدیمہ کی سیر:

ظہر کے بعد ہم لوگ میوزیم گئے جہاں عربی آثار قدیمہ کے چیف انسپکٹر حسن عبدالوہاب ہمارے منتظر تھے، از راہ نوازش ہم کو عربی میوزیم میں گھمایا ہم سے اس کی تاریخ بتائی کہ فلاں چیز کہاں سے نکالی گئی۔ اس کی کیا اہمیت ہے، فنی نقطۂ نظر سے اس کی کیا خوبیاں ہیں، ان سب باتوں کی وضاحت وہ کرتے جاتے تھے، عربی آثار کے ساتھ ساتھ ہم نے مصر کی عربی تاریخ کا بھی مطالعہ کیا، ہم لوگوں نے ظروف اور لکڑی کے تختوں اور اسلحہ جات کے علاوہ بہت سی چیزیں دیکھیں جو فسطاط کی کھدائی سے نکالی گئیں تھیں، ہم نے قیاس کیا کہ وہ فاتحین مصر اور صحابہ کرام کے زمانہ کی چیزیں ہیں، یہی ثابت بھی ہوا۔ حسن عبدالوہاب صاحب نے بتایا یہ فاطمی عہد یا اس سے پہلے کی چیزیں ہیں۔ ہم نے مصری بڑھئی گیری کی اچھی یادگاریں دیکھیں، عمارتی نقش و نگار کے اچھے نمونے سنگ مرمر کے رنگین ڈھلے ہوئے پتھر، مٹی کے برتن، لکڑی کے دروازے، پیتل کے خوبصورت کام، بناؤ سنگار کی چیزیں، تابوت، منتقل ہونے والے محراب و منبر بنی ہوئی چیزیں، اور مصلے دیکھے ہم نے دیکھا کہ مصر بڑھئی گری کے کام میں بہت فائق اور ترقی یافتہ ہے، ہم نے لکڑی میں نقش و نگار اور سجاوٹ کی بڑی بڑی انوکھی انوکھی چیزیں دیکھیں، سب سے انوکھی چیز جو ہم نے یہاں دیکھی لکڑی کے شمعدان ہیں جن کی دنیا میں مثال ملنی مشکل ہے، اس میں شبہ نہیں کہ مصر کے آثار قدیمہ کا میوزیم اپنے انوکھے پن میں دنیا کے بہت سے میوزیموں سے بڑھا ہوا ہے۔

احمد حسن زیات سے ملاقات:

میوزیم سے ہم نکل کر الرسالہ کے دفتر گئے جہاں (الرسالۃ) کے اڈیٹر تاریخ الادب العربی کے مصنف احمد حسن زیات سے ملے، میں کئی سال سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں تاریخ ادب کا استاد تھا۔ یہ کتاب درجہ ششم کے نصاب میں تھی۔ میں نے اس کو پڑھا اور ایک مدت تک اس سے جی لگا رہا، مجھے مصنف کا ادبی اسلوب اور عربی زبان میں ان کی وسیع النظری پسند آئی۔ اسی وجہ سے یہ کتاب ادب و تاریخ دونوں کا جامع ہو گئی ہے اور بنیادی ادبی پہلو تاریخی پہلو سے بڑھا ہوا ہے میں نے اپنے اور ان کے علمی تعلق کا ان سے ذکر کیا۔ یہ فطری بات ہے کہ جب انسان اپنے پودے کو پھلدار دیکھتا ہے اور اس کا سایہ اتنا پھیلتا ہے کہ دوسرے ملکوں تک پہونچ جاتا ہے تو یقیناً اسے خوشی ہوتی ہے۔

انہوں نے بڑی کشادہ دلی اور نشاط کے ساتھ مجھ سے گفتگو کی، انہوں نے ہندوستان کی دینی حالت اس کے مدرسوں، طلبہ اور اس ملک کے عربی زبان کے مستقبل کے بارے میں مجھ سے پوچھا وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس پر تعجب کا اظہار کرتے تھے کہ ایک ہندوستانی جس نے اپنے ہی ملک میں عربی پڑھی کس طرح اتنی روانی اور بے تکلفی سے عربی بولتا ہے اس پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہم لوگ چار آدمی تھے۔ انہوں نے ہم میں سے ہر ایک کو تاریخ ادب عربی کے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے گیارھویں اڈیشن کا ایک نسخہ دیا۔

محمد فرید عبدالخالق کی دعوت میں:

ظہر کے بعد میں مولوی عبداللہ صاحب اور لیسین الشریف کے ساتھ محمد عبدالخالق کے گھر گئے، وہاں محترم محمد الغزالی، عبدالحفیظ صیفی اور کلیۃ الحقوق کے استاذ ڈاکٹر توفیق شناوی مل گئے ہم لوگ باتیں کرنے لگے، اثنائے گفتگو میں تصوف اور اس کی ابتدا پر بات چل نکلی میں نے کہا کہ اسلامی عہد خلافت میں دونوں پہلوؤں کی نمائندگی کرتا تھا۔ انتظامی اور سیاسی پہلو کی بھی اخلاقی اور روحانی پہلو کی بھی، خلافت مسلمانوں کی زندگی میں ان دونوں چیزوں کی حفاظت و فروغ دینے کی ذمہ دار تھی اور دونوں ہی کی بیک وقت جوابدہ بھی پھر جب خلافت نااہلوں کے ہاتھ میں آئی اور دین سیاست سے الگ ہو گیا تو خلافت یا حکومت نے صرف انتظامی پہلو پر زور دینا شروع کیا اخلاقی اور روحانی پہلو ختم ہو کر رہ گیا کوئی اس کا داعی نہ رہا فرد یا جماعت کسی کی بھی اس کی طرف توجہ نہ رہی، تہذیب و تمدن عیش و طرب، مال کی ریل پیل، اخلاقی انحطاط کا دور دورہ ہوا قریب تھا کہ مسلمان اس سیلاب بلاخیز کی نذر ہو جاتے مگر کچھ سر پھرے میدان میں آئے اور اس دھارے سے برسر پیکار ہو لئے، انھوں نے اخلاقی و روحانی دعوت کو عام کیا اور کچھ لوگوں کو اپنی آغوش تربیت میں لیکر پرسکون فضا میں تربیت دینے لگے۔ جب وہ تیار ہو جاتے تو ان کو اس دعوت کو پیش کرنے کے لئے باہر بھیجتے۔ ان کی یہ دعوت اور کد و کاوش اثر انداز ہوئی اور وہ مادہ پرستانہ ذہنیت کا زور کم ہوا اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو مادیت پوری طرح چھا جاتی۔ نہ کوئی اس کے مقابل ہو سکتا اور نہ اس سے لڑنے کا دم بھرتا۔ شناوی صاحب نے کہا لیکن تصوف کی بنیاد غیر اسلامی ہے وہ ادریج کی بنیاد پر قائم ہے جس کو اسلام غلط سمجھتا ہے اور اس کی مخالفت کرتا ہے اہل تصوف کا ایک ایک طبقہ اور مخصوص پوشش ہے پھر ان کے آپس میں الگ الگ طبقے ہیں۔ یہ شیخ ہیں، یہ ان کے

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

کردار کی بلندی

ہماری کامیابی کا سب سے بہتر راستہ ہے

(امسال نماز عید الفطر کے موقعہ پر جو جامعہ کی زیر تکمیل مسجد میں ادا کی گئی اور جس میں جامعہ برادری کے علاوہ آس پاس کے لوگ نئی دہلی کے سرکاری افسر اور ملازمین اور عرب ممالک کے کچھ سفیر شریک تھے مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی نے ایک بہت جامع تقریر کی ضرورت ہے کہ مسلمان اسے بہت غور اور توجہ سے پڑھیں۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔)

انھوں نے قرآن حکیم کی آیت كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ — الخ۔ پڑھنے کے بعد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم سب سے اچھی قوم ہو لیکن خیر الامم ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اغراض و خواہشات سے بلند ہو کر تمہارے اندر خدمت خلق کا جذبہ اور خدا کے بندوں کو برائیوں سے بچا کر صحیح راستہ دکھانے کا ولولہ ہو اور اس خدمت کا خدا کے سوا اور کسی سے کوئی صلہ مطلوب نہ ہو بندگان خدا کی بے غرض خدمت ایک مومن کا مقصد زندگی ہے۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام نے الخلق عیال اللہ کہہ کر ساری خلقت کو خدا کا کنبہ قرار دیا اور ان کی خدمت کرنے کی اور حسن کردار کا معیار قرار دیا، سردار کے لئے قوم کا خادم ہونا ضروری ہے (سید القوم خادمہم) اسی تعلیم کا اثر تھا کہ آپ کے پیروؤں نے شروع ہی سے اس کی جانب توجہ کی صحابہؓ اور بزرگان دین کی زندگی میں بکثرت خدمت خلق کے واقعات ملتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ ایک بوڑھی عورت کی بکریاں دوہ دیا کرتے تھے، جب وہ خلیفہ ہوئے تو اس عورت کی چھوٹی بچی نے کہا اب یہ خلیفہ ہو گئے ہیں ہماری بکریاں نہیں دوہیں گے۔" حضرت ابوبکرؓ نے تو فرمایا کہ میں اب بھی یہ خدمت انجام دیتا رہوں گا۔ چنانچہ وہ برابر وہ اس پر عمل کرتے رہے۔ تجارت ذریعہ معاش تھی خلافت کے بعد لوگوں نے کہا آپ تجارت میں لگے رہیں گے تو ملک کا نظام اور رعایا کی خبر گیری کون کرے گا۔ لوگوں کے اصرار سے بیت المال سے معمولی تنخواہ لینے پر راضی ہو گئے لیکن دل اس سے مطمئن نہ ہوا۔ انتقال کے وقت وصیت کی کہ میری جائداد فروخت کر کے یہ ساری رقم بیت المال کو واپس کر دی جائے۔ وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے سامنے جب معاملہ آیا تو بہت متاثر ہوئے، دیر تک روتے رہے اور فرمایا ابوبکرؓ اپنے بعد والوں کے لئے بہت مشکل کر گئے مثال ہمیشہ ان کے سامنے رہی مرتے وقت اپنے یقین کو ہدایت کی کہ یہ مکان اور املاک فروخت کر کے وہ رقم جو تنخواہ کے طور پر مجھے ملتی رہی ہے بیت المال میں داخل کر دی جائے۔ خلافت کا سارا زمانہ روکھا پھیکا کھا کر اور موٹا جھوٹا پہن کر گزار دیا غریبوں مسکینوں کی مدد کرتے رہے۔ حضرت عثمانؓ کی خوشحالی بہت مشہور ہے غنی ان کے نام کا جز ہو گیا ہے لیکن خلافت ملی تو اپنے عیش و آرام کو چھوڑ کر دوسروں کی راحت کی فکر میں لگ گئے۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ دوسرے لوگوں کو امیرانہ کھانا کھلاتے لیکن خود سرکہ اور روغن زیتون سے روٹی کھاتے تھے ایک پیسہ بیت المال سے نہیں لیا اپنا تجارتی سرمایہ اور جائداد سب خدمت خلق میں صرف کر دی حضرت علیؓ کا زہد و تقویٰ تو ضرب المثال ہے۔ رات دن خلافت کے کاموں میں لگے رہتے تھے کیسا مشکلات کا زمانہ تھا کیسے فتنوں کے دروازے کھل رہے تھے لیکن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آخری لمحات حیات تک حق و صداقت کا علم بلند رکھا اور خدا کے بندوں کو راہ نجات دکھاتے رہے اور ان کی راحت رسانی میں لگے رہے۔ واقعات بہت ہیں لیکن خطبہ کے محدود وقت میں ان کی بیان کی گنجائش نہیں ہے صحابہؓ اور بزرگان دین کی اسی بے لوث زندگی اور بے غرض خدمت کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مخلوق کا محبوب بنا دیا تھا۔ جدھر وہ نکل جاتے تھے لوگ ان کے نقوش قدم کو دلیل راہ اور ان کی خاک پا کو سرمہ چشم بناتے تھے۔ آج بھی اس نور زندگی میں یہی تاثیر ہے۔ صدیاں گذر گئیں لیکن خواجہ نظام الدین اب بھی محبوب الٰہی ہیں اور ان کا آستانہ بندگان خدا کا مرکز عقیدت ہے۔ وقت بہت ہو گیا۔ دو ایک واقعات اپنے زمانے کے بھی سن لیجئے! تقریباً تیس برس ہوئے ہوں گے بلیھ گڑھ کے قریب ایک صاحب مولوی رحمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے بڑے مخلص اور درد مند تھے، جامعہ کے سنسکرت اور ہندی کے بھیا لوجی کے استاد پنڈت حکم چند نے مجھے ان کا ایک عجیب واقعہ سنایا۔ مولوی صاحب کے تمام گھرگرہستوں کی طرح قاعدہ تھا کہ فصل کے زمانہ میں سال بھر کی ضرورت کا سامان خرید لیا کرتے تھے جس سال دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو وہ حسب معمول اناج خرید چکے تھے۔ جنگ کے بعد قیمتیں بڑھنے لگیں اور چند ماہ میں ایک روپے کے بیس سیر والے گیہوں چار سیر کے بکنے لگے ایک دن خبر ملی کہ مولوی صاحب اپنا اناج فروخت کر رہے ہیں، خیال ہوا کہ بڑھی ہوئی قیمت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ لیکن جب لوگوں نے گیہوں کے دام پوچھے تو کہا کہ ایک روپے کے بیس سیر، لوگ حیرت سے مولوی صاحب کو دیکھنے لگے۔ سمجھے مذاق کر رہے ہیں لیکن جب مولوی صاحب نے سنجیدگی کے ساتھ بار بار یہی کہا تو ان کے ایک بے تکلف دوست (پنڈت جی کے والد) نے کہا مولوی صاحب کیا غضب کرتے ہو کیا گھر لٹانے کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے پنڈت جی! اب مجھ سے یہ گیہوں کھائے نہیں جاتے نوالے حلق میں پھنستے ہیں، میں بیس سیر فی روپے کے بھاؤ کے کھا رہا ہوں اور میرے غریب بھائی چار سیر کے حساب سے خرید رہے ہیں یہ فرق طبیعت کو گوارا نہیں ہوتا اس لئے جس طرح بیس سیر کے خریدے تھے، اسی طرح بیس سیر فی روپے کے حساب سے بیچ دیتا ہوں اور اب اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح میں بھی چار سیر فی روپے کے حساب سے کھاؤں گا۔ اس کے بغیر طبیعت کو چین نہیں آئے گا۔ اس واقعہ کے چند برس بعد مولوی صاحب کا انتقال ہو گیا اور ۱۹۴۷ء کا ہولناک زمانہ آیا۔ مولوی صاحب کے لڑکوں نے بھی بھاگنا چاہا، مگر گاؤں والوں نے ان کے قدم پکڑ لئے اور کہا کہ گھبراؤ نہیں ہم تمہاری حفاظت کریں گے، تم مولوی رحمت اللہ کی اولاد ہو۔ چنانچہ اس قتل و غارتگری کے زمانہ میں ان کے لڑکے آرام اور حفاظت سے رہے اور ان کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

اب ایک منیجر کا کردار بھی سنئے۔ لکھنؤ کے جوبلی کالج میں ایک استاد صدیقی تھے (اب شاید نہیں اور ہوں) غیر مسلموں کی بہت بڑی اکثریت کے درمیان رہتے تھے، مگر ایمانداری کی بدولت سب کی آنکھوں کا تارا تھے، کالج کے ہزاروں روپے کا سامان ان کی معرفت خریدا جاتا تھا مگر کبھی ایک پیسے کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ دوکانداروں نے انتہائی کوشش کی کہ ان کی کوئی نذر قبول کر لیں لیکن ناکام رہے ان کے ایک ساتھی نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ کسی بڑے دوکاندار کو کسی سامان کے لئے انہوں نے ٹیلی فون کیا ملازم نے فون مالک کو دیا تو مالک کھڑا ہو گیا، نوکر نے کہا بیٹھ جائیے، دوکاندار بولا۔ بیٹھ کیسے جاؤں آدمی نہیں بھگوان بول رہے ہیں، میں اس شخص کو ایک پیالی چائے کا بھی ممنون نہ کر سکا۔ ایک مرد درکار بھی سنئے! احمد ... روپے زیادہ لیتا تھا مگر منصب سے منصب لوگ اسی کو ہٹانے کی کوشش کرتے تھے اور کہتے تھے دو روپے زیادہ لیتے مگر

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

دشمن دوست اور پتھر موم کیسے ہو جاتا ہے

ایک قرآنی ہدایت کا عملی تجربہ

مولانا محمد منظور نعمانی

"قرآن پاک کی ایک ہدایت ہے کہ جب کوئی تم سے برسرِ پیکار ہو اور تمہارے ساتھ برے طریقے سے پیش آئے تو تم اس کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرو اور خوبصورت طریقہ پر اس کی بات کا جواب دو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو جلد ہی دیکھ لوگے کہ دشمن تمہارا دلی دوست بن جائے گا"۔

آگے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ "یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے" اس کی توفیق صرف ان خوش نصیبوں کو ہوگی جو برداشت کی صفت یعنی اپنے نفس پر قابو رکھتے ہوں گے"۔

یہ قرآن مجید کی آیت کا حاصل اور گویا لفظی ترجمہ ہے یقین ہے کہ جس کسی بندے نے بھی اس کی ہدایت پر کبھی عمل کیا ہوگا اس کو ضرور اس نتیجہ کا بھی تجربہ ہوا ہوگا، جو قرآن مجید نے بتلایا ہے۔

ناچیز راقم سطور کو اعتراف ہے کہ اپنے مزاج کی فطری حدت یعنی تیزی اور نفس پر قابو نہ ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کی اس زریں ہدایت و تعلیم پر عمل کی توفیق بہت ہی کم نصیب ہوئی ہے لیکن جب کبھی اللہ کی توفیق سے اس پر عمل نصیب ہوگیا تو اسی وقت کھلی آنکھوں وہ نتیجہ دیکھ لیا جس کا وعدہ قرآن پاک کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اسی سلسلہ کا اپنا ایک تجربہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

اگست ۱۹۴۷ء کا پہلا ہفتہ تھا، یاد ہے کہ رمضان مبارک کی ۱۸ تاریخ تھی ناچیز راقم سطور کو ۱۴-۱۵ ساتھیوں کے ساتھ لکھنؤ سے دہلی جانا تھا۔

یہاں یہ بات بھی یاد کر لی جائے کہ یہ وہ وقت تھا جب کہ ہندوستان میں ہندو مسلم کشیدگی آخری حد تک پہونچ چکی تھی کہ کلکتہ، نواکھالی، اور بہار وغیرہ میں بڑے بڑے ہیبت ناک فسادات ہو چکے تھے۔ اور بس ایک ہفتہ کے بعد ۱۵ اگست کو ملک کی باقاعدہ تقسیم عمل میں آنے والی تھی

اب تو ماشاء اللہ لکھنؤ اور دہلی کے درمیان براہِ راست ۳-۴ ٹرینیں چلتی ہیں اس وقت ایک ٹرین بھی لکھنؤ سے دہلی براہِ راست نہیں جاتی تھی۔ کانپور، مرادآباد تبدیل کرنی پڑتی تھی۔ ہم نے براہ مرادآباد دو بجہ ایکسپریس سے سفر کرنے کیا۔ لکھنؤ سے اس کی روانگی کا وقت اس وقت بھی وہی تھا جو آج ہے یعنی قریباً سات بجے شام

اپنے سفری تجربہ کی بنا پر مجھے سب سے آگے والے ڈبہ میں جگہ ملنے کی زیادہ امید تھی۔ اس لئے ہم لوگ وہاں کھڑے ہوگئے جہاں اس ڈبے کے پہونچنے کی توقع تھی اور ساتھیوں میں چند کو مقرر کر دیا کہ ٹرین جیسے ہی آکے رکے وہ مستعدی اور پھرتی سے ڈبے میں جانے کی کوشش کریں۔ اور جو جگہ بھی خالی نظر آئے اس کو ساتھیوں کے لئے گھیر لیں، اس کی تاکید کر دی گئی کہ کسی کو ایذا نہ پہنچے اور جھگڑا نہ ہو۔ ٹرین آکر رکی۔ جیسا کہ میرا اندازہ تھا اگلے ڈبے سے مسافروں کی خاصی تعداد لکھنؤ اتری اور کافی جگہ خالی ہوئی۔ ہمارے وہ چند ساتھی قرارداد کے مطابق پھرتی سے اندر پہنچ گئے اور خالی شدہ سیٹوں پر اپنے کپڑے بچھا کے جگہ محفوظ کر لی اور دوسرے ساتھی بھی اندر داخل ہوگئے۔ میں بھی پہنچ گیا۔

ایک سیٹ پر ایک ساتھی نے کپڑا بچھا دیا تھا میں اسی کپڑے پر جا کر بیٹھ گیا میرے برابر میں ایک اور ساتھی بھی بیٹھ گئے، ایک پنڈت جی جو اسی ٹرین میں اوپر سے (صوبہ بہار کسی مقام سے) آرہے تھے غالباً کسی ضرورت سے نیچے اتر گئے تھے وہ اندر آئے اور زبان سے کوئی بات کہنے کے بجائے انھوں نے انتہائی اشتعال انگیز طریقہ پر ایک ہاتھ سے میرا بازو پورے زور سے جھٹکے اور دوسرے ہاتھ سے میرے دوسرے ساتھی کا، اس جگہ سے ہمیں اٹھانا چاہا۔ انھیں غالباً یہ اندازہ نہیں تھا کہ ہم لوگ اتنی تعداد میں ہیں۔ جیسے ہی انھوں نے یہ حرکت شروع کی میرے بعض ساتھیوں نے بڑھ کر انھیں پکڑ لینے کا ارادہ کیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے ڈانٹ کر کہا کہ ہر شخص اپنی جگہ پر بیٹھے اور بالکل خاموش بیٹھے اگر کچھ بات کرنے کی ضرورت ہوگی تو میں خود کر لونگا اس کے بعد میں نے ان پنڈت جی سے نرمی سے کہا کہ آپ زبان سے فرمایئے کیا بات ہے اور آپ کیا چاہتے ہیں۔ انھوں نے نہایت غصے کے ساتھ کہا آپ لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہیں، یہ میری جگہ ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ بھائی یہ بات تو آپ سہولت سے اور معقولیت سے بھی کہہ سکتے تھے آپ نیچے اتر گئے تھے ہمارے ساتھیوں نے یہ جگہ خالی دیکھی تو انھوں نے کپڑا بچھا دیا اور میں آکر اس پر بیٹھ گیا۔ اگر آپ سیدھے طریقے سے یہ فرما دیتے کہ یہ جگہ آپ کی ہے آپ یہاں پہلے سے بیٹھے تھے تب بھی یہ جگہ خالی کر دی جاتی بہرحال اگر آپ یہاں بیٹھے تھے تو یہ آپ ہی کی جگہ ہے آپ یہاں بیٹھ جائیے، میں نے یہ کہہ کر وہ جگہ خالی کر دی، پنڈت جی کے اس رویے پر ہمارے بعض ساتھیوں کو پھر گرمی آنے لگی تو میں نے ان سے کہا آپ لوگوں میں سے کسی کو بولنے کا حق نہیں اور جب یہ اس جگہ پہلے سے بیٹھے تھے تو انہیں کی جگہ ہے، بات ختم ہوگئی اور میں نے پنڈت جی کا ہاتھ پکڑ کر اس جگہ پر ان کو بٹھا دیا اور ساتھیوں کے ذہن کو دوسری طرف موڑنے کے لئے بحیثیت امیرِ قافلہ سفر کے اصول و آداب اور دعا، وغیرہ کے بارے میں کچھ ہدایتیں دینا شروع کر دیں۔

ہم سب روزے سے تھے اور ٹرین کی روانگی کے صرف پانچ سات منٹ کے بعد افطار کا وقت ہونے والا تھا، ایک دوست جو ہم لوگوں کو صرف رخصت کرنے کے لئے اسٹیشن تک آئے تھے میں نے ان سے کہا کہ اگر اسٹیشن پر برف مل جائے تو آپ ایک سیر لا دیجئے وہ دوست برف تلاش کرنے کے لئے چلے گئے، ہمارے وہ مہربان پنڈت جی بھی خاموشی کے ساتھ ڈبے سے اترے، ہمارے جو دوست برف کی تلاش میں گئے تھے وہ ابھی واپس نہ آئے تھے کہ پنڈت جی پانچ سیر برف کہیں سے خرید لائے اور خاموشی کے ساتھ میرے سامنے رکھ دیا، میں نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں میں شرافت کی چمک اور ندامت کے آنسو تھے، انھوں نے اصرار کیا کہ قبول کر لوں، میں نے کہا کہ سر آنکھوں پر، لیکن یہ بہت زیادہ ہے آپ اس کی قیمت لے لیں مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے، بالآخر میں نے قبول کر لیا۔ اب ٹرین لکھنؤ سے روانہ ہوگئی ابھی پنڈت جی سے ذرا فاصلے پر دوسری سیٹ پر اپنے ساتھیوں کے پاس بیٹھ گیا۔ پنڈت جی خود اٹھ کر میرے قریب آئے اور مجھ سے کہا بہت غلطی ہوئی آپ وہیں بیٹھیں گے جہاں پہلے بیٹھے تھے، میں نے ان سے کہا میں آرام سے بیٹھا ہوا ہوں آپ بے تکلف اپنی جگہ بیٹھیں، وہ اس پر راضی نہیں ہوئے اور کہا کہ اگر آپ وہاں چل کر نہیں بیٹھیں گے تو میں بھی نہیں بیٹھوں گا کھڑا رہوں گا بالآخر میں اسی جگہ جا کر بیٹھ گیا، اس کے بعد جب آفتاب غروب کا یقین ہوگیا تو ہم لوگوں نے روزہ افطار کیا اور جماعت سے مغرب کی نماز ٹرین ہی میں پڑھی جتنی دیر جماعت سے فرض

(باقی صفحہ …)

ثاقب قزلباش لکھنوی

از :- حافظ حبیب الرحمٰن حسنی

ثاقب صاحب کی شہرت ان کی زندگی میں بہت تھی۔ مگر انتقال ہوا کہ شہرت ختم ہوگئی اور الزام لگایا کہ انھوں نے حضرت مولانا سبط حسن کے دیوان سے چوری کی ہے ان کے زمانہ میں یہ مشہور تھا کہ ان کے پاس برابر جایا کرتے تھے اور بزرگ ہونے کی حیثیت سے ان کی خوشنودی کے لئے کبھی کبھی اشعار اپنے میں شامل کر لیا کرتے تھے مگر ثاقب صاحب کا رنگ بالکل جدا ہے جیسے یہ کہا گیا کہ ہمارے نظم کا سب کلام ذوق کا ہے۔ ظفر تو شاگرد بھی تھے اور ثاقب صاحب تو شاگرد نہیں تھے۔ لڑکپن میں اشعار سناتے اور شعراء یا اساتذہ کے مشورہ سے اصلاح کر لیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شعر اصلاح کے قابل ہوتا تھا۔ وہ پندرہ برس کی عمر سے اچھے شعر کہنے لگے تھے۔ دیوان کو دیکھا جائے تو پتہ چل جائے گا۔ انھوں نے یہ بھی کیا ہے کہ تاریخ بھی لکھ دی ہے کہ یہ غزل فلاں زمانہ کی ہے۔ بہرحال ایک عالم اور ایک انگریزی خواں کے مذاق میں جتنا فرق ہوتا ہے۔ ثاقب صاحب نے سینٹ کالج آگرہ میں تعلیم پائی ہے۔ آگرہ مولد و منشا تھا۔ شاعری وہیں شروع کی تھی لکھنؤ میں آکے چمکے شہرت ہوئی اور لکھنوی کہلائے گئے اور آخر میں اساتذہ میں شامل ہوگئے۔ بلکہ ان میں بھی ممتاز ہوگئے۔ حکمت کے اشعار بھی نکالتے رہے۔ اور جدت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بہرحال غزل خوب کہتے تھے۔ فرماتے ہیں :-

کشفِ رازِ عالمِ باطن ہے حصہ حسن کا
حضرت یوسفؑ کو کتنا دخل تھا تعبیر میں

پیشِ عاقل بولتا ہے عالمِ نقش و نگار
کہہ گئی سب کچھ خموشی پردۂ تصویر میں

خون آنکھوں سے نکلتا ہے تو نکلے صبر کر
ہاں تمنا بھی نکلتی ہے مگر تاخیر میں

نصیحت

اور کچھ دل ساتھ رہ جائے تو سکر دیکھنا
درد پیدا ہو چلا ہے نالۂ زنجیر میں

خون ثاقب کا ہے یہ رنگیں چمن سینچا ہوا
شاید ایسے پھول نکلیں بوستانِ میر میں

مگر جب دیوان چھپا تو دیکھا کہ مقطع بدل دیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے اس ڈر سے بدل دیا گیا کہ لشانہ بنجائیں گے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

صرف جہاں عشق ہوا خونِ دل مرا
دنیائے غم فقیر کی جھولی میں آگئی

کیا مضمون ہے

میر تقی میر فرماتے ہیں ؎

حسن تھا تیرا بہت عالم فریب
خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا

اس کے خلاف ثاقب صاحب فرماتے ہیں ؎

حالۂ خط تو خوب ہے ہاں مگر اس کے پڑتے ہی
قافلۂ جمال دوست پا بہ رکاب ہو گیا

تین اشعار برق لکھنوی کو سنائے تھے اور فرماتے تھے کہ ایک لاکھ دو لاکھ تین لاکھ کے ہیں۔

ثاقب صاحب کے اشعار یہ ہیں ؎

ملا کے دستِ دعا ظرف ایک بنایا ہے
لئے ہوں ہاتھ میں کاسہ خدا کرے بھر جائے

جفا اٹھانے کی عادت پڑے تو کیونکر جائے
ستم سہے مگر اتنے کہاں کہ دل بھر جائے

یہی سمجھ کے جفاؤں کا سلسلہ چھوڑو
کہ جس کو موت نہ آئے وہ کس طرح مر جائے

پہلا شعر تو ٹھیک ہے مگر یہ یاد نہیں رہا کہ کس ترکیب سے سنائے تھے۔

ایک شعر محاورہ کے ساتھ کیا خوب نکالا ہے فرماتے ہیں ؎

وہ الٹ کر جو آستیں نکلے
ظلم جامے سے اپنے باہر تھا

الٹ کر آستین اور ظلم جامے سے باہر ہونا تصویر کھینچ دی ہے۔ اور محاورہ کیا خوب استعمال کیا ہے۔

فرماتے ہیں ؎

قفس اور آشیانے کا فرق اے صیاد مجھے
یہ تیری دست کاری ہے اسے میں نے بنایا ہے

لوگ قفس اور آشیانے سے پھڑکتے نہیں۔ غور کیجئے کہ یا کبھی لیڈروں کو اپنے غریب مکانوں سے عمارہ مکانوں میں نظر بند کیا گیا تو لیڈروں کو بہت کھلا مگر ملک کی آزادی کے لئے قربانی کرنا تو بڑی تو آدمی کو اپنی جگہ ہی پسند ہوتی ہے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک ڈپٹی کمشنر یا کمشنر نے اپنے خانساماں سے خوش ہو کر چلتے وقت کہا کہ تم ہمارے یہاں آنا۔ جب اتفاق سے لندن جانا ہوا تو حیرت میں رہ گیا کہ وہ اپنا مکان خود درست کر رہے تھے اور اس کو تصور کہاں ان کا بڑھا ہوا تھا۔ وہ شان و شوکت اور دبدبہ اور وہ کروفر یاد تھا مگر وہاں کچھ نہ تھا۔

ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

قفس کی تیلیاں اچھی ہیں تنکوں سے نشیمن کے
یہ سب کچھ ہے مگر صیاد دلپر کیا اجارہ ہے

کیسی حقیقت ہے کہ آدمی کو اپنا گھر پسند ہوتا ہے۔ کیسے ہی شاندار مکان میں دوسری جگہ ٹھہریئے مگر مستقل قیام اپنے گھر میں کریگا۔ اس کو وہی پسند ہوگا۔ شاندار مکانوں کو چھوڑ کر وہ اپنے ہی مکان میں جا کر رہے گا۔ اس سے آگے تو اپنا وطن سب سے بہتر ہے اور آگے بڑھے تو اپنا ملک دوسرے ملک سے بہتر ہے

پھر ایک جگہ کیا خوب کہتے ہیں ؎

مکانِ منعم کا سونے سے یہ خونِ دل سے بنتا ہو
خس و خاشاک کا گھر بھی بڑی مشکل سے بنتا ہو

کیا خوب ہو امیر منزلہ دو منزلہ سہ منزلہ وغیرہ شاندار مکان لاکھوں روپے سے بنواتے ہیں اور غریب محنت اور جانفشانی سے خون پسینہ کرکے بناتے ہیں تو امیروں کو جتنی اپنے مکانوں کی قدر ہوتی ہے اس سے کم غریب کو اپنے ٹوٹے پھوٹے مکان کی قدر نہیں ہوتی۔ یہ اشعار کس قدر حقیقت پر مبنی ہیں اور غور کیا جائے تو ہر ایک اپنی جگہ صحیح سمجھے گا۔

ایک پردرد غزل ملاحظہ ہو۔ غزل

بس ہے فلک فتنۂ دل کا انتقام ہو چکا
ہنسنا تھا جس قدر کبھی زیادہ اس سے رو چکا

ڈھونڈھا اہلِ دل کو اب کہ جوشِ قلزمِ فنا
متاعِ درد جن میں تھی وہ کشتیاں ڈبو چکا

شہیدِ غم کی لاش پہ جھکا کے رو دیے
وہ آنسوؤں کو کیا کرے جو منہ ہی دھو چکا

چمن ہے زیرِ آسماں پھول اسی بہار پر
بنائے آشیاں مگر سمجھ کہ قید ہو چکا

اس شعر کی حبیب الرحمٰن خاں شیروانی مرحوم نے بڑی تعریف کی ہے وہ شعر ہے ؎

یہ آشیانہ ستم چمن میں ہو تو خوب ہے
یہ جی میں ہے کہ اے اسیر قفس قید ہو چکا

فرماتے ہیں آشیانہ ستم خوب ہے یہ نئی ترکیب ہے یہ غزل بھی خوب ہے

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

جگر صاحب نے اس شعر کی بڑی تعریف کی ہے۔

بتانے میں آنسو کہ اب دل نہیں ہے
جو پانی نہ ہوتا تو دریا نہ بہتے

مری آنکھ اس غم کے دریا میں ثاقب
کنارے یہ آبی ہیں بہتے بہتے

یہ شعر تو ہر کہہ و مہ کی زبان پر ہو

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

ایک جگہ عشق کا اعجاز سنایا ہے فرماتے ہیں ۔

دیکھ میرے دل کو توڑے منکر اعجاز عشق
گر نہیں سکتا ہے بادہ اور شیشہ چور ہے

زبان ملاحظہ ہو ۔

محشر میں رنگ چہرۂ ظالم ہوا ہوا
پہنچا ہے برا ہو اگر مرا سامنا ہوا

ہوا ہوا محاورہ ہے اور محبت کا اظہار ۔

غالب فرماتے ہیں ۔

زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال
رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر

ثاقب صاحب فرماتے ہیں ۔

وہ کیا سمجھ سکیں گے نشیب و فراز دہر
جو چل رہے ہیں راہ کو ہموار دیکھ کر

اور شعر یہ ہیں ۔

ہے روشنی قفس میں مگر سوجھتا نہیں
ابر سیاہ جانب گلزار دیکھ کر

مستی چھا گئی ہے اب کچھ دکھائی نہیں پڑتا ۔

کیا تھا کہ ایسے وقت میں صاحب لاش حشر
دیکھا گئے مجھے تری تلوار دیکھ کر

ثاقب کے دو جوانی کے شعر

روتے روتے شام ہوئی ہے کب تک اشک بہائیں گی
بہتے بہتے تھمتے ہیں دریا آنکھیں بھی تھم جائیں گی
رکھے رکھائے تیر و کماں کو چھوڑ گئے دل مشتاق کئے
نازک نازک پلکیں تیری او قاتل دکھ جائیں گی

یہ ریڈیو پر غزل پڑھی گئی تھی ۔

گزرے گی یونہی شام و سحر دیکھتے رہنا
جو ہے وہ نہ آئے گا نظر دیکھتے رہنا
اللہ بچائے گا تو بچ جائے گا دل بھی
تم اپنی بلا خیز نظر دیکھتے رہنا
صیاد تری قید سے چھوٹا تو ہے معلوم
آفات سے کہدے مرا گھر دیکھتے رہنا

آفات سے گھر دیکھنے کو کہنا

حقیقت ۔

کچھ موت ہی پہ حصر نہیں زندگی میں دیکھ
نظروں سے جو چھپا وہی افسانہ ہو گیا

جو لوگ چھوٹ گئے مگر حیات میں ان کے قصے کہے جاتے ہیں

حقیقت ۔

امید کی ناامیدی کو ہم ہونا دیکھ جانے
کہ جس نے کشتیوں کو ڈوبتے دیکھا ہو ساحل سے

شعر کیا خوب ہے ۔

الفتا لی درد خواہی کو سماں دیکھا کئے
وہ زمیں دیکھا کئے تم آسماں دیکھا کئے

ظالم و مظلوم کا فرق کیسا بتایا ہے ۔

محبت کی تعریف

تکلف ہے مژدہ کا دل پہ بار ہو جانا
محبت کیا ہے مرنے کے لئے تیار ہو جانا

مجروح دل سے صبر نہیں ہو سکتا ۔

صبر کی سالم قبائیں تو ہزاروں ہیں مگر
ٹھیک ہوتی ہی نہیں دل صد چاک پر

آشیانہ تو بنا لوں قید و آزادی سے کیا
یا ہوا پر سیر ہوگی یا رہوں گا خاک پر

یہ غزل بہت پسند کی گئی تھی ۔

دل زخمی بتا آہوں کے ہاتھوں تجھ پہ کیا گذری
سنا کرتے ہیں کلیوں کا ہوا سے مسکرا دینا

کیا خوب ہو یہ نہیں کہ دل پھٹ گیا زخم تازہ ہو گئے ۔
تصویر اور لفظوں کا استعمال ۔

جو سر کٹوا کے سوئے تھے وہ دعویدار اٹھے ہیں
قیامت آ رہی ہے حشر والو راستہ دینا

قیامت آنا ۔ حشر والو ۔

ہزاروں داغ ہیں دل میں کہیں یہ کھل نہ جائے
ادھر آنا تو پہلے ان چراغوں کو بجھا دینا

کس خوبی سے بھلائی کی درخواست ہے ۔

حقیقت ۔

ناتوانی میں گرے تھے جو لہو کے قطرے
میں تو بھولا ہوا تھا دل نے بہت یاد کیا

بو نکلنے لگی غنچوں سے تو ڈر کس کا ہے
یہ اگر سچ ہے تو صیاد نے آزاد کیا

یعنی تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گا اور صیاد چھوڑ دیگا

ایک مشاعرہ رائے بریلی میں ۱۹۳۵ء میں ہوا جس میں عزیز لکھنوی اور ثاقب لکھنوی بھی موجود تھے ۔ اور آرزو لکھنوی کی بھی غزل پڑھی گئی مگر ثاقب اور عزیز لکھنوی کے شعر ایک ہی قافیہ پر ملاحظہ ہوں ۔

عزیز لکھنوی کا شعر ہے ۔

ارماں بھرے دل نے ستایا ہے بہت اب
بستی کو مرے لوٹ کے ویرانہ بنا دے

ثاقب صاحب کا شعر ہے ۔

حسرت نہ رہے کوئی تو سمجھوں میں تری قدر
آباد ہے جو دل اسے ویرانہ بنا دے

کیسے خیالات لڑتے ہیں ۔

یہ شعر بیشک مولانا سبط حسن کا معلوم ہوتا ہے ۔

در بار دل میں ہمیں دوست کا پتہ نہ ملا
وہ بدنصیب ہوں کعبہ میں بھی خدا نہ ملا

میں نے مولانا سبط حسن صاحب کا دیوان نہیں دیکھا اور غالباً ان کا چھپا بھی نہیں ۔ اتنا بڑا استاد چوری کرنے کی غلط بات ہے وہ اتنے بالدار نہ تھے کہ چپ ہو جاتے اور ان کی حیات میں کسی نے کچھ نہ کہا ۔

ثاقب صاحب نصیحت فرماتے ہیں ۔

انسب ہے جو کر سکے زمانہ
نیکی سے معاوضہ بدی کا

نصیحت ۔

دل سے جھگڑا کہیں بیکار پیدا کیجئے
توڑ کر شیشے کو کیوں شور پیدا کیجئے

غالب کا شعر ہے ۔

گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال
موج محیط آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

فارسی ترکیب کے ساتھ مشکل لفظوں میں یہ ثابت کیا ہے کہ وصل سے شوق میں کمی نہیں ہوتی کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں موج تھپیڑے مارا کرتی ہے ۔

اور ثاقب صاحب نے وصال و ہجر کا فرق یوں بتایا ہے

وصال و ہجر میں چھپتا ہے دل کا حال کہیں
بجھے تو پیاس سوا ہو چلے تو لو آئے

یہ غزل جوانی کی ہے فرماتے ہیں ۔

مرے لہو سے اگر ہو کے سرخرو آئے
ملو تو برگ حنا میں وفا کی بو آئے

کیا سوال تو اس در سے یہ صدا آئی
اسے جواب ہے جو لے کے آرزو آئے

لفظ جواب مغالطہ میں ڈالتا ہے کیسا موقع سے یہ لفظ لائے ۔

مومن کا کتنا اچھا شعر ہے ۔

دل بھی دراز رات بھی کیوں ہو فراق یار میں
کاہے سے فرق آ گیا گردش روزگار میں

ثاقب صاحب اس سے ملتا ہوا شعر کہتے ہیں اور کتنا خوب ہے ۔

وہی رات میری وہی رات ان کی
کہیں بڑھ گئی ہے کہیں گھٹ گئی ہو

مومن تو خوب کہتے ہی ہیں فرماتے ہیں ۔

ہو کے آزردہ پشیماں ہوں کہ میں جس سے کہوں
وہی کہوے کوئی ایسے سے خطا ہوتا ہے

ثاقب کا بھی اچھا ہے مگر اتنا نہیں فرماتے ہیں ۔

بزم سے اٹھ تو چلا میں کہ محل تھا لیکن
رونے والوں سے بھلا کوئی خفا ہوتا ہے

ایک جگہ اپنی حالت بتلاتے ہیں فرماتے ہیں ۔

رونے کو پوچھتے ہو تو آنکھیں ہیں سامنے
ہنسنے کو پوچھتے ہو تو جی ہاں کبھی کبھی

خدائی کی کریمی کے متعلق مضطر خیرآبادی کہتے ہیں ۔

مرے گناہ ہیں زیادہ یا تیری رحمت
کریم بتا دے حساب کر کے مجھے

ثاقب صاحب فرماتے ہیں خدا کی پردہ پوشی پر ۔

حشر میں گن کے تھک گیا چارہ نہ ملی گناہ کی
بس مرے پردہ پوش میرا حساب ہو گیا

قسمت کی شکایت ثاقب صاحب یوں فرماتے ہیں ۔

کیا تم سے شکایت مجھے قسمت سے گلہ ہے
پھرتا ہے مقدر تو پلٹتی ہے نظر بھی

آزمائش پر فرماتے ہیں ۔

وہ ہزار تھیں نہ سہی بات نہ کہنے کو رہے
مرے غمخوار پھر اک بار انہیں سمجھا دیکھیں

راضی کرنے کی تمنا ۔

باقی آئندہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

مولانا محمد ارشد صاحب اعظمی مدرسہ مطلع العلوم بنارس

نام و نسب اور ولادت :- جاہلیت کے دور میں آپ کا نام عبد عمرو تھا ۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن رکھا ابو محمد کنیت ہے اور والد کا نام عوف اور والدہ کا نام شفا تھا ۔ بھائیوں میں عبداللہ اور اسود تھے حضرت اسود جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے اور اس میں جام شہادت نوش فرمایا ۔
واقعہ فیل کے دس سال بعد ولادت ہوئی نسبی اعتبار سے قریش کے مشہور گھرانے "بنو زہرہ" سے تعلق رکھتے ہیں[1]۔
حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نسب میں زہرہ بن کلاب سے آپ کا نسب نامہ مل جاتا ہے اس رشتے سے آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی رشتہ دار ہوتے ہیں[2]۔

اسلام کی کرن :- حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تحریک سے تقریباً تیس سال کی عمر میں دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں[3]۔

ہجرت حبشہ :- خداوند قدوس کے فضل و کرم سے ضیائے اسلام پھیلتی اور بڑھتی جا رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ کفار کا غیظ و غضب بھی بڑھتا جا رہا تھا ۔ شمع نبوت کے پروانوں کے لئے بڑی مصیبت اور آزمائش کا وقت تھا سابقین اولین پر کفار نے مظالم و تکالیف کے بڑے بڑے پہاڑ توڑنا شروع کر دیئے تھے یہاں تک کہ مکہ کی وادیوں میں واویلا کی صدا بلند ہونے لگیں ۔ رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ملاحظہ فرمایا کہ فدایان اسلام نہایت صبر و استقامت سے تمام مظالم سہنے کے واسطے تیار ہیں اور کلمۂ حق سے روگردانی کے واسطے تیار نہیں ہیں تو ان بلاکشان حق و صداقت کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیدیا ۔ مہاجرین کے اس گروہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے[4]۔
یہ بعثت کا پانچواں سال تھا ۔ بعد میں ایک غلط خبر اڑ جانے کی وجہ سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مکہ واپس آئے مگر یہاں آکر دیکھا کہ اہل مکہ کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ حق و باطل کی کشمکش پہلے سے بھی زیادہ شباب پر ہے اور لات و عزیٰ کے آگے جبین نیاز خم کرنے والے آواز حق کو دبانے کی سعی بے پایاں میں سرگرم عمل ہیں اور اشاعت حق کو روکنے کی ساری قوتیں صرف کر رہے ہیں[5]۔

ہجرت مدینہ :- اس وقت پروردگار عالم نے اسلام کے جانثاروں اور شمع نبوت کے پروانوں کو شہر دارالامان مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیدیا اب کیا تھا سابقین اولین اور یہ مہاجر ساقی الست کے سرمست یہ لشکر حب نبوی سے مخمور مستانہ وار امن و امان میں پہنچ ہی گئے اور ان میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی ذات گرامی بھی شامل ہے[6]۔

مواخات :- مہاجرین مکہ معظمہ سے بالکل بے سرو سامان آئے تھے اور ان میں صاحب دولت اور صاحب مال و جائداد بھی تھے مگر دشمنان اسلام اور کفار مکہ سے چھپ چھپا کر نکلتے تھے اس بنا پر کچھ ساتھ نہ لا سکے ۔ مدینے میں انصار نے اپنے دولت خانوں کو ان اللہ کے مہمانوں کے واسطے عام کر دیا اور ان مہاجرین کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا جو ایک حقیقی بھائی اپنے بھائی کے ساتھ کرتا ہے چنانچہ جب حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ سے حضرت عبدالرحمٰن کی مواخات ہوئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام اسباب اور زمین میں سے نصف نصف کیا اور فرمایا کہ آپ یہ نصف لے لیں ! علاوہ ازیں دو بیویوں میں سے ایک بیوی بھی لے لیں اسے طلاق دے دیتا ہوں ۔ آپ اس سے نکاح فرما لیں ! حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس بے پناہ خلوص اور بے مثال ایثار سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بے انتہا خوش ہوئے اور بہت ہی متاثر ہوئے چونکہ آپ محنتی تھے جفاکش تھے اس لئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ایثار کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ اے میرے بھائی خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے ۔

تجارت :- حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے "قینقاع" کا مشہور بازار بتا کر اس کا راستہ بتا دیا اور حضرت عبدالرحمٰن نے بازار میں بیٹھ کر خرید و فروخت شروع کر دی اور دیکھتے دیکھتے اتنا سرمایہ جمع ہو گیا کہ شادی کر لی اور رفتہ رفتہ تجارت کو اس قدر ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے ۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن کے اسباب تجارت سات سو اونٹوں پر لاد کر آتا تھا اور جس دن مدینہ میں پہنچتا تو سارے مدینہ میں ایک دھوم مچ جاتی تھی[7]۔

غزوات :- سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں شرکت فرمائی اور نہایت جانبازی و بہادری سے مخالفین اسلام کا مقابلہ کیا ۔ جنگ احد میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے شیدائی جب نرغۂ اعدا میں آ گئے تو اس وقت آپ پورے استقلال کے ساتھ جوانمردی کا مظاہرہ کر رہے تھے اور آپ کے جسم مبارک پر بیس سے زائد زخم تھے اور پیر مبارک میں تلوار کا زخم کاری لگ گیا جو شفا پانے کے بعد بھی لنگ کی صورت میں نمودار ہوا جس سے آپ چلنے میں لنگڑاتے تھے[8]۔

تبلیغ دین :- ۶ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کی جانب روانہ فرمایا اور روانگی سے قبل آپ کے سر پر عمامہ باندھا اور پرچم اسلام عطا فرمایا نیز ارشاد فرمایا کہ

"اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں روانہ ہو جاؤ ، جو لوگ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں ان سے جہاد کرو لیکن کسی کو دغا مت دینا ، بچوں کو قتل نہ کرنا ، وہاں جا کر قبیلہ کلب کو دعوت اسلام دینا اگر قبول کر لیں اور مطیع ہو جائیں تو قبیلہ کے سردار کی دختر سے نکاح کر لینا ، ان کے تمہاری محبت و قرابت قائم ہو جائے" ۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر اسلام کی دعوت نہایت ہی حسن و خوبی کے ساتھ پیش فرمائی یہاں تک کہ قبیلے والوں نے دعوت قبول کر لی ۔ اور سردار قبیلہ نے اپنی دختر تماضر سے آپ کی شادی کر دی[9]۔

غلط فہمیوں کا ازالہ :- شوال المکرم ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ بنفس نفیس مکہ معظمہ میں مقیم تھے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تین سو پچاس مہاجرین و انصار و بنی سلیم کے ہمراہ بنی جذیمہ کی طرف دعوت اسلام کے واسطے روانہ فرمایا ۔ وہاں جانے کے بعد حضرت خالد نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو ؟ ان لوگوں نے

(باقی صفحہ ۱۲ پر دیکھئے)

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۱۳ [2] الاکمال فی اسماء الرجال ص ۶۰۳ [3] سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۳۵ [4] طبقات ابن سعد ... [5] استیعاب ابن عبد البر ...

[6] ایضاً ص ۱۳۱ [7] سیرۃ النبی ص ۳۸۵

[8] ... [9] ...

مشرق کا بکنگھم پیلس

شمیم اختر

مرشد آباد میں گنگا کے کنارے جسے بنگال میں بھاگیرتی کے نام سے پکارا جاتا ہے، ایک ایسا قصر شاہی ایک سو چھتیس برس سے ناظمان بنگال کی شان و شوکت کے خاموش ترانے گا رہا ہے جسے ہزار دوی محل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہزاردوی محل کو بجا طور پر مشرق کا بکنگھم پیلس کہا جا سکتا ہے۔

ایک سو ہری الحجہ میں تعمیر کئے گئے اس محل میں ہزاروں دروازوں کی بجائے بارہ سو دروازے ہیں۔ اس کا طول چار سو پچاس فٹ عرض دو سو فٹ اور بلندی اسی فٹ ہے۔ چار بڑے زینوں میں سے ایک اتنا بڑا ہے کہ اس کا ثانی ہندوستان میں کہیں اور نظر نہیں آتا۔ اکتالیس وسیع اور کشادہ ہال ہیں۔ کمروں اور کوٹھریوں کا کوئی شمار اس لئے نہیں کہ نہ جانے کتنے کمرے اور کوٹھریاں زمین دوز راستوں اور تہہ خانوں کے اندھیروں میں نظر انسانی سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ آج ان زمین دوز راستوں اور تہہ خانوں میں داخل ہونا ہر کس و ناکس کی قوت سے باہر ہے۔

۲۹ اگست ۱۸۲۹ء کی ایک حسین شام کو نواب ہمایوں جاہ نے جو ان دنوں برائے نام بنگال، اڑیسہ اور بہار کے ناظم تھے اس عظیم الشان عمارت کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ اٹلی اور برطانیہ کے نامور انجینیر اس کی تعمیر میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنے کے لئے بلوائے گئے۔ بکنگھم پیلس کے اندرونی نقشوں کو حاصل کیا گیا اور بیرونی حصہ کو اطالوی فن تعمیر کا روپ دیا گیا۔ اس زمانہ میں جب ایک معمار دو آنہ یومیہ مزدوری کو بڑی چیز سمجھتا تھا۔ اس محل کی تعمیر پر تقریباً بیس لاکھ روپیہ صرف ہوا ــــ جو دور حاضر کے چار کروڑ روپیوں کے برابر مانا جا سکتا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد رؤسا ہند کے وظائف کی کٹوتی کا اثر نواب بنگال پر بھی پڑا۔ اس لئے ۱۹۵۹ء میں آخری نواب کے انتقال کے بعد ان کے جانشینوں میں اس محل کی قوت نگہداشت ختم ہو گئی۔ بکنگھم پیلس کی صفائی کے لئے دو سو افراد کا عملہ کام کرتا ہے۔ لیکن اس محل کی دیکھ بھال کے لئے چار ہزار ملازمین تھے۔ آج مغربی بنگال کی حکومت نے اس محل کو اپنی نگرانی میں لے کر برائے نام عملہ مقرر کر دیا ہے جو دنیا بھر سے آئے ہوئے سیاحوں کو محل کی زیارت کراتا ہے۔ محل کے اگلے مورچوں پچھلے حصوں کے زینوں پر دو شیروں کے مجسمے نصب ہیں چار زینوں میں سب سے چھوٹے کی لمبائی ۹۰ فٹ ہے یہ زینہ ۲۸ سیڑھیوں پر مشتمل ہے۔

اس دو منزلہ محل کی شان و شوکت میں اضافے کے لئے بڑے بڑے کمروں کی چھتوں اور دیواروں پر حیرت انگیز نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ نقش و نگار میں استعمال کئے گئے مختلف رنگ آج بھی ایسے ہی روشن اور نظروں کو خیرہ کر دینے والے ہیں گویا کل ہی بھرے گئے ہیں۔ محل میں کی گئی اس نقاشی کو تصویروں کے ذریعہ اجاگر کرنا مشکل ہے ظاہر ہے کہ پچاس لاکھ مربع انچ پر بنائے گئے نقش و نگار پندرہ مربع انچ پر کس طرح نمایاں کئے جا سکتے ہیں۔ اسی فٹ بلند عمارت پر ایک حسین و جمیل گنبد اس طرح تعمیر کیا گیا ہے کہ میلوں دور کے فاصلے سے دکھائی دیتا ہے۔ بالائی چھت پر بنا ہوا یہ گنبد پندرہ فٹ اونچا ہے اور قریب سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ انسانی فن تعمیر کا یہ بیش بہا نمونہ آسمان سے محو گفتگو ہے۔ اس محل کی بیرونی دیواروں کا حجم چھ فٹ سے زیادہ ہے۔

پہلی منزل میں دربار ہال ڈرائنگ روم، ضیافتی کمرہ، بلیرڈ روم اور بڑے بڑے وسیع اور کشادہ ہال ہیں۔ دوسری بالائی منزل پر لائبریری کے کمرے، بال روم ڈرائنگ روم اور سونے کے کمروں کے علاوہ بہت سے ملحقہ کمرے ہیں۔ بالائی چھت سے دریائے گنگا (بھاگیرتی) کے سرسبز و شاداب علاقوں کا میلوں دور تک نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ طاقت ور دوربین کے ذریعہ یہیں سے دو سو کلو میٹر دور کلکتہ کی رونق آفریں بستی کو دیکھا جا سکتا ہے۔

ان وسیع اور کشادہ کمروں میں دنیا کے ان عظیم فن کاروں کی مصوری کے نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ جنھوں نے چھتوں اور دیواروں پر اپنے خون جگر سے نقاشی کی ہے۔ کمروں کے اس ماحول میں جو فرنیچر لگایا گیا ہے وہ اتنا بیش قیمت ہے کہ دیکھنے والا پریشان ہو جاتا ہے کہ وہ بام و در کی نقاشی دیکھے یا اس نادر و نایاب سامان آرائش کی خوبیوں کی تعریف کرے جو فرش کی زینت میں اضافہ کر رہا ہے۔

دربار ہال کو ایک دائرے کی شکل میں جس کا قطر پچاس فٹ ہے، بہاں دنیا کا ایک بیش قیمت فانوس اپنے رنگین شیشوں سے حاضرین کی نگاہوں کو چکاچوند کر دیتا ہے۔ فانوس کے اس جھاڑ کی قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن تھوڑا بہت اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سیم و زر کی زنجیروں میں اس کی ایک سو ایک شاخیں سارے ہال میں عظمت و جبروت کا سکہ جمائے ہوئے ہیں۔ ان شاخوں کے شمعدانوں میں دنیا میں پائے جانے والے ہر رنگ کے شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ یہیں وہ کرسی رکھی ہے جس پر تاج و تخت کا وارث درباریوں سے اپنے جاہ و جلال کا خراج وصول کرتا ہے۔ اس تخت کی بناوٹ سجاوٹ اور آرائش میں روپیہ پانی کی طرح بہا دیا گیا ہے۔ دیکھنے والا اس کی تعریف کرنے کے لئے الفاظ تلاش کرنے سے خود کو معذور سمجھ لیتا ہے۔ ڈرائنگ روم میں بڑے بچھے بیش قیمت ایرانی قالین کی صناعی اور چھت پر کی گئی نقاشی دونوں ہی ناظرین کو ششدر و حیران کر دیتی ہے۔ یہیں پر دنیا کے عظیم تاجداروں اور مغل بادشاہوں کی نادر اور کمیاب تصاویر آویزاں ہیں ــــ یہیں انگلستان کے بادشاہ ولیم چہارم کا وہ قد آدم مجسمہ بھی نصب ہے، جو ملک معظم نے نواب ناظم ہمایوں جاہ کو اس محل میں رکھنے کے لئے انگلستان سے تحفہ کے طور پر ارسال کیا تھا۔

ستائیس فٹ چوڑے اور ایک سو اسی فٹ لمبے ضیافتی ہال کی تعمیر اس طرح کی گئی ہے کہ بوقت ضرورت اس کو بلوری شیشے کی دیواروں سے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک حصہ نواب ناظم اور ان کے خصوصی مہمانوں کے لئے دوسرا خواتین اور تیسرا عمائدین ریاست کی ضیافت کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ بہر حال اس محل کے کمروں اور دیوان خانوں کی مکمل تصویر آرائی کے لئے ایک ایسی ضخیم کتاب درکار ہے جسے لکھنے کے لئے چار پانچ سال کا عرصہ بھی ناکافی ہے۔

یہ محل اپنی تعمیر، اپنی ساخت فرنیچر، سامان آرائش مصوری اور نقاشی کی وجہ سے اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنی اہمیت اس کے اندر محفوظ کی گئی نادر و کمیاب تصاویر کتابوں، اسلحہ جات اور دیگر پرانی اور قیمتی چیزوں کی وجہ سے اسے حاصل ہے۔

لائبریری میں تقریباً چودہ ہزار مسودات، پرانی کتابوں اور نایاب نسخے موجود ہیں۔

ان نسخوں میں ابوالفضل کے قلم کی آئین اکبری موجود ہے۔ ان مسودات میں رقعات عالمگیری کا وہ نسخہ بھی موجود ہے جسے اورنگ زیب کے تخت نشینی سے قبل تحریر کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بعض کتابوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:-

۱۔ مصور تیمور نامہ جو ۱۰۰۰ھ میں تحریر کیا گیا تھا۔

۲۔ ۹۳۰ھ میں محمد یوسف سمرقندی کی لکھی ہوئی انوار سہیلی جسے شہنشاہ اکبر نے اپنا سب سے قیمتی نسخہ قرار دیا تھا۔

۳۔ ابوالفضل کا تحریر کیا ہوا اکبر نامہ

۴۔ مصور شاہنامہ جو ۱۴ رجب ۹۷۵ھ میں سلطان شاہ صفوی کو پیش کیا گیا تھا۔ اس نسخہ میں اکبر، شہزادہ دانیال شہنشاہ جہانگیر وغیرہ کی مہریں اور ان کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی عبارتیں موجود ہیں۔

ان کے علاوہ ہزاروں بیش قیمت اور نادر نسخے موجود ہیں جن کی فہرست لکھنے کے لئے خود ایک کتاب کی ضرورت ہے ــــ اس لائبریری میں تصاویر کا البم ہے، جس میں بڑے بڑے سلاطین کی تصاویر (باقی صفحہ پر)

بقیہ کردار کی بلندی

کام چار روپے سے بھی زیادہ کا کر لیتا ہے اور پھر ایماندار ایسا کہ اگر گھر میں جواہرات پڑے ہوں تب بھی ان پر نظر نہیں ڈالتا۔

دوستو! گنتی کے چیونٹیوں نہ بڑے وزن پہ اگرد کا غذ کے سینکڑوں پرزے ہوا کے ایک جھونکے میں منتشر ہو جاتے ہیں مگر پتھر کی چٹان کو بڑی سے بڑی آندھی بھی نہیں ہلا پاتی۔ شکایت کی عادت چھوڑ دو، اپنا کیریکٹر بلند کرنے کی کوشش کرو، دوسروں کو برا کہنے میں اپنا بھلا نہیں ہے، طاقت باہر نہیں ہے خود اپنے اندر ہے آپ کے اخلاق بلند ہوں گے، دل میں خلوص اور طبیعت میں بے غرضی ہو گی تو دشمن بھی آپ سے محبت کرنے لگیں گے۔ لیکن کج خلقی اور نفس پروری دوستوں کو بھی متنفر کر دے گی ذرا پیچھے پلٹ کر اپنی تاریخ کو دیکھو تمہارے پاس ملک، ساز و سامان کیا کچھ نہیں تھا اور خود غرضی اور ہوا ہوس کے ہاتھوں دانے دانے کو محتاج ہو گئے! عروج و زوال کی اس داستان سے سبق لو دوسروں کی طرف نہ دیکھو اپنی طرف دیکھو اپنے اخلاق کو سنبھالو، اپنی عادت درست کرو، اپنے ایمان و اعمال صالح سے آراستہ ہو کر زندگی کے میدان میں قدم رکھو اور دنیا کو دکھا دو کہ رحمت عالم کے نام لیوا آج بھی بندگان خدا کے لئے باعث زحمت نہیں باعث رحمت ہیں۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو دیکھو گے کہ زمانہ کا دھارا کس طرح تمہارے موافق ہو جائے گا اور عزت و سرفرازی اور عروج و اقبال کی متاع گم گشتہ پھر تمہارے ہاتھ میں آ جائے گی۔ آج عید کے اس مبارک دن عہد کرو کہ آج تمہاری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو گا، حرص و ہوا کی تاریکیوں سے نکل کر ایمان و یقین کی روشنی میں قدم آگے بڑھاؤ گے اور بے اعتدالی اور بے راہ روی کے بجائے صراط مستقیم پر گامزن رہو گے۔

(مرتب عبداللطیف اعظمی۔ بشکریہ جامعہ)

حضرت عبدالرحمن بن عوف

نے جواب دیا ہم مسلمان ہیں! نماز پڑھتے ہیں! صدقہ ادا کرتے ہیں! ہماری مسجد ہے! اذان ہوتی ہے! حضرت خالدؓ نے پھر فرمایا کہ پھر سلاح لے کر کیوں نکلے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ کوئی دشمن قبیلہ ہو گا! (یہ روایت اصحاب کی ہے لیکن بخاری میں ہے کہ) وہ صاف طور سے بیان نہ کر سکے کہ ہم مسلمان ہیں، بلکہ کہا کہ صابی ہو گئے! یہ اس لئے کہ جو شخص مسلمان ہوتا تھا قریش اس کو صابی کہتے تھے بہر کیف پھر یہ ہوا کہ حضرت خالدؓ نے گرفتار کر کے موندھوں پر باندھ باندھ کر کے اپنے لوگوں میں حلقے کے واسطے تقسیم کر دیا اور صبح کے وقت حکم دیا کہ جس کے پاس جو قیدی ہے وہ اس کو قتل کر دے! بنی سلیم کے پاس جو قیدی تھے ان سب کو انہوں نے قتل کر دیا لیکن انصار و مہاجرین نے قتل نہ کیا بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا اور

اس واقعہ گذشتہ کا علم ہوا جو بنی سلیم نے بحکم حضرت خالد سیف اللہؓ اپنے قیدیوں کو قتل کر دیا تھا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو گئے۔ اور فرمایا۔ خداوندا میں اس سے بری ہوں۔ جو خالدؓ نے کیا! خداوندا میں اس سے بری ہوں جو خالدؓ نے کیا!

اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کو روانہ فرمایا کہ بنی جذیمہ کے جو لوگ قتل ہوئے ہیں ان کی دیت ادا کریں اور جن کا مال ضائع ہوا ہے ان کا مال ادا کریں چنانچہ حضرت علیؓ بہت سا مال لے کر تشریف لے گئے وہاں جا کر فیصلہ فرمایا کہ جو مقتول ہوئے تھے ان کو خون بہا ادا فرمایا اور جو مال چھین گیا تھا وہ سب واپس فرمایا۔ (باقی)

بقیہ شرق اوسط کی ڈائری

تعلیم ہیں، یہ مرید ہیں یہ مخدوم اور یہ خدام غلام ہیں۔ میں نے بعض خانقاہوں اور حلقوں میں غلامی اور بیگار کرتے دیکھا، مزید براں میں نے تصوف میں ہندی، یونانی تصوف کا تسرق دیکھا جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے میں نے غزالی صاحب سے کہا یہ سب باتیں تو آخری عہد میں تصوف میں پیدا ہو گئی ہیں، حضرت حسن بصری کے یہاں ان میں سے کوئی چیز نہ تھی۔ غزالی صاحب نے تصوف کی دوسری چیزوں پر تنقید کی۔ جو اب تصوف میں پیدا ہو گئی ہیں اور صوفیائے کرام کے یہاں علمی آمیزی ہیں مثلاً اور اخت اور میٹوں اور پوتوں کو خلیفہ بنانا۔

تصوف عارضی اور محدود علاج ہے:-

اس تبادلۂ خیال پر ہم لوگ متفق ہو گئے کہ تصوف عارضی اور محدود علاج ہے جب اسلامی زندگی اپنے صحیح ڈھانچہ پر آ جائے اور حقیقی اسلامی خلافت قائم ہو جائے تو دینی، انتظامی، اخلاقی اور روحانی ذمہ داریوں کو سنبھالے تو کسی اور طریقہ اور جزوی اصلاح کی ضرورت نہیں دوران گفتگو میں ہی الخولی صاحب آ گئے جو اخوان کے ہوشیار اور لیڈر لوگوں میں سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اس علمی مباحثہ میں شریک ہو گئے۔ مجھ سے عبدالحلیم جیسے مثالی صالح حرب بالشاب سے ملنے کے لئے کہا۔ اس لئے کہ وہ جمعیۃ الشبان المسلمین میں میری تقریر کے سلسلہ میں ان سے بات کر چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے

مناسب سمجھا کہ میں ان سے مل لوں تاکہ وقت اور موضوع کا تعین ہو جائے۔ چنانچہ ہم لوگ ان کے پاس گئے اور تھوڑی دیر بیٹھے۔ انھوں نے مصر کے بارے میں میری رائے معلوم کرنی چاہی میں نے کہا کہ مصر کے بارے میں برابر پڑھتا اور مطالعہ کرتا رہتا ہوں اس میں خوش کن اور فکر انگیز دونوں ہی قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مصر کے جغرافیائی محل وقوع نے فائدہ سے زیادہ اس کو نقصان پہونچایا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ اس کو نقصان پہونچانے والی چیزوں میں ایک جدید ادب کا بڑا دخل ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کو ادب فی حد ذاتہ زیادہ مناسب ہو گا ان کے پاس ابن حزم و زیر تجارت اور بین الاقوامی تعلقات کا دیو پبلیکن کے ممبر محمود توفیق حفناوی بھی تھے

احمد شرباصی صاحب اور ان کا مقالہ:-

محترم صالح حرب پاشا کے پاس سے ہم لوگ اٹھے اور احمد شرباصی صاحب کے مقالہ میں شریک ہوئے وہ ایک عالم بھرپور توانا اور خوش گفتار جوان ہیں۔ مقالہ کا موضوع اسلام میں برتھ کنٹرول و تحدید النسل تھا! الاسلام تحدید النسل بڑا قیمتی تھا حسن ادا اور خطابت، اور مواد کی فراوانی دونوں چیزوں کا جامع تھا، پوراحت اور ادبی فصاحت و رنگین بیانی میں نمایاں تھا شرباصی صاحب نے اس بات کا اظہار کیا کہ اسلام برتھ کنٹرول کی اجازت ایسی صورت میں دیتا ہے جب ضروری وجوہ جواز پائی جائیں۔ پھر اس کی وضاحت کی لیکن اس وقت مصر میں برتھ کنٹرول کا کوئی محرک نہیں۔ ہمیں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم ان محبوب ناز پروردگوں پر برتھ کنٹرول کریں جو موٹروں پر سوار رہتے ہیں اور اگر مر جائیں تو بھی محل نوحہ و ماتم قائم کرتی ہیں اور ان کی قبر بناتی ہیں مصر کے اقتصادی اور اجتماعی حالات برتھ کنٹرول کے متقاضی نہیں ہیں۔

مقالہ ختم ہونے کے بعد ہم لوگ صالح حرب پاشا کے پاس گئے اور یہ طے ہوا کہ بدھ کے دن ۵ بجے شام کو مقالہ پڑھا جائے میں نے مقالہ کا موضوع (العالم علی مفترق الطرق) اختیار کیا۔ (باقی آئندہ)

سول ایجنسیاں

اودھ جنرل اسٹورس
امین آباد لکھنؤ

ایس، ایم، ابلیر اینڈ سنس
چمن گنج کانپور

بقیہ مضمون دشمن دوست کیسے ہوتے ہیں

نماز پڑھی پنڈت جی اُن کے ساتھ ایک طرف کھڑے رہے اپنی جگہ پر بیٹھے بھی نہیں، سلام پھیرنے کے بعد جب انھیں اس حالت میں دیکھا تو اصرار کرکے بٹھایا، پھر بھی وہ اس وقت تک ادب سے بیٹھے رہے جب تک ہم لوگ سنتوں اور نفلوں سے فارغ ہوئے اس کے بعد ہم لوگوں نے کھانا کھایا پھر کچھ دیر کے بعد عشاء کا وقت آگیا۔ ہم لوگوں نے جماعت سے عشاء کی نماز اور اس کے بعد جماعت ہی سے تراویح کی بیس رکعتیں پڑھیں اس پورے وقت میں پنڈت جی بڑے ادب کے ساتھ اس طرح بیٹھے رہے گویا وہ بھی دل سے ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہیں۔

ڈبہ میں اتنی جگہ نہیں تھی کہ کوئی شخص بھی ہم میں سے سو سکتا، اوپر والی سیٹوں پر ان حضرات کے بستر لگے ہوئے تھے جو پہلے سے اس ٹرین پر سفر کر رہے تھے ان میں سے ایک بستر پنڈت جی کا بھی تھا۔ ان کے علاوہ جن لوگوں کے بستر تھے سب جاکر لیٹ گئے پنڈت جی نے اوپر کے ایک بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ بستر میرا ہے آپ اس پر آرام کریں گے، میں نے کہا پنڈت جی یہ ہرگز نہیں ہوگا اپنے بستر پر آپ خود آرام کریں گے، پنڈت جی نے کہا کہ یا تو اس پر آپ سوئیں گے ورنہ میں بھی نہ سوؤں گا اور یہ رات بھر خالی پڑا رہے گا۔ جب میں نے پنڈت جی کا یہ اصرار دیکھا اور اندازہ کرلیا کہ واقعۃً وہ ایسا ہی کریں گے تو میں نے ان سے کہا کہ اچھا پھر آپ مجھ کو اختیار دیدیجیے خواہ میں خود سوؤں یا کسی دوسرے کو سلاؤں۔ انھوں نے مجھے اختیار دیدیا، ہمارے ساتھیوں میں ایک بھائی نصیر الدین تھے جن کی صحت ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے بڑی خراب ہوگئی تھی گویا ہمیشہ مریض ہی رہتے تھے میں نے ان سے کہا کہ بھائی نصیر تم سو جاؤ، پہلے انھوں نے معذرت کی، پھر میں نے ان سے کہا کہ اچھا امیر قافلہ کی حیثیت سے میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ اس پر سو جائیں۔ چنانچہ وہ سو گئے مرادآباد میں ہمیں ٹرین تبدیل کرنی تھی رات کے دو بجے کے قریب جب مرادآباد آیا تو ہم لوگ پنڈت جی سے رخصت ہوکر اترنے لگے۔ پنڈت جی نے ہمیں اس طرح رخصت کیا جس طرح وہ اپنے عزیز ترین رشتہ داروں یا دوستوں کو رخصت کرتے۔ میرے دل پر آج تک پنڈت جی کے اس رویہ کا گہرا اثر ہے۔

قرآن مجید کی جس ہدایت و تعلیم کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اگر اس پر عمل کرنے کی توفیق ہم قرآن والوں کو ہو جائے تو روزانہ ایسے ہی تجربے ہوں۔ اور دین و دنیا کے کتنے ہی بند دروازے ہمارے لئے کھل جائیں، صحابہ کرامؓ قرآنی علم و فلسفہ میں بہت فائق تھے۔ انکی خوش نصیبی یہی تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت کے لئے قرآن مجید کو ان کی زندگی اور ان کا ظاہر و باطن بنا دیا تھا۔

بقیہ مشرق کا بکنگھم پیلس

کے علاوہ بہت سی لڑائیوں کی تصویریں بھی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اس البم کی قیمت کروڑ روپیہ بھی کم ہے۔

لائبریری میں محفوظ شدہ مقدس مذہبی کتابوں کا ایک عظیم ذخیرہ ہے جس میں صرف قرآن پاک کے نسخوں کی ہی یہ کیفیت ہے کہ ان میں ایک نسخہ حسین تبریزی کا تحریر کردہ ہے جس میں سلطان محمد سلیمان مرزا ۱۵۲۰ھ کی مہر بھی ہے۔

۶۹۵ھ میں لکھا ہوا یاقوت مستعصمی کا لکھا ہوا قرآن مجید بھی اس لائبریری میں محفوظ ہے۔ یاقوت خلیفۂ بغداد مستعصم باللہ کا درباری تھا۔ جو اپنے دور کا نامور خطاط گزرا ہے اور جس نے خط کوفی میں حیرت انگیز تبدیلیاں کی تھیں۔ اس کلام پر لکھی ہوئی اورنگ زیب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہ نسخہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا ــــ اس لائبریری میں قرآن پاک کے ایسے نایاب اور محیر العقول نسخے موجود ہیں جو شاید ہندوستان کے تمام کتب خانوں میں باعتبار مجموعی نہ ہوں گے ان نسخوں میں سے چند کی تفصیل اس طرح ہے۔

ایک مکمل کلام پاک محض سولہ صفحات میں تحریر کیا ہوا ہے۔

ایک قرآن مجید پہلی صدی ہجری کا چرمی دفتیوں پر تحریر کیا ہوا ہے۔ خط کوفی میں لکھے ہوئے اس نسخے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اس دور میں رقم کیا گیا تھا جب ساری دنیا کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ کاغذ جیسی کوئی چیز مستقبل میں ایجاد ہونے والی ہے۔

ایک قرآن پاک کو کسی عظیم خطاط نے ایک ایسی ننھی منی سی کتاب میں تحریر کیا ہے جس کی لمبائی اور چوڑائی محض دو انچ ہے۔ اور ایک جلد اس صحیفۂ آسمانی کی بھی محفوظ ہے جسے حضرت علیؓ نے نقل فرمایا تھا۔

نوادرات قدیم جواہرات اور دیگر چیزوں کی تفاصیل کو نظر انداز کرتے ہوئے یہاں ایک ایسی عظیم و جسیم توپ کا ذکر کردینا کافی ہوگا جو تاریخی اعتبار سے ان تمام چیزوں اور خود محل کی تعمیر سے زیادہ اہم ہے یہ وہ منحوس توپ ہے جسے ہندوستانی افواج نے انگریزوں کو ہندوستان بدر کرنے کے لئے جنگ پلاسی میں استعمال کیا تھا یہ محض ایک المناک اتفاق ہی ہے کہ استعمال کے دوران اس ہیبت ناک اور خوفناک توپ کے اگلے سرے کے پرخچے ہولناک دھماکے کے ساتھ فضا میں اڑ گئے اور اس اچانک دھماکہ نے ہندوستان کی فوجوں میں ایسی افراتفری مچادی کہ جو انگریزوں کی فتح و نصرت کا سبب بن گئی۔ یہ کہنا ضروری نہیں کہ جنگ پلاسی میں انگریزوں کی فتح ان کے سارے ہندوستان پر مکمل قبضہ و اقتدار کا باعث ثابت ہوئی۔ اگر یہ توپ اس حادثہ کا شکار نہ ہو جاتی تو ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت کا منصوبہ بچوں کا سا خواب بن کر رہ جاتا۔

مرشد آباد کا یہ ہزار دری قصر بجائے خود ہندوستان کی تاریخ کا ایک المناک باب ہے جس کی شان و شوکت اگرچہ قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔ لیکن اس کے آغوش میں آج بھی ایسی لاتعداد چیزیں موجود ہیں جن میں سے ہر ایک چیز اپنی جگہ ایک تاریخی داستان سنانے کے لئے بے چین و مضطرب ہے۔ (ن دہلی)

بقیہ مضمون اسلام دونوں جہاں کی بادشاہی

وتنزع الملک ممن تشاء — چھینے اور جس سے چاہے چھین لے (آل عمران ع ۳)

وہ دیتا کس کو اور چھینتا کس سے ہے، اس کے متعلق اپنا قاعدہ بتایا ہے۔

ان الارض یرثھا عبادی الصالحون ان فی ھذا لبلاغًا لقوم عابدین (انبیاء ع ۷) — بیشک زمین کے مالک میرے صالح بندے ہوتے ہیں۔ اس اعلان میں خدا کے فرمانبرداروں کے لئے پیام ہے۔

مسلمانوں کو جب اس نعمت کے ملنے کی بشارت ملی تھی تو ساتھ ہی یہ بتا دیا گیا تھا کہ یہ نعمت ان کے کن کاموں کا معاوضہ ہو۔ فرمایا۔

ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ (حج ع ۶) — اور البتہ خدا اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتا ہے، بیشک اللہ زبردست قوت والا ہے وہ کہ ہم اگر ان کو زمین میں جمادیں تو وہ نماز کھڑی کریں زکوٰۃ دیں، اچھے کاموں کو کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے روکیں اور ہر کام کا انجام خدا کے اختیار میں ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جو اچھے کاموں کو کہے گا اور برے کاموں سے روکے گا وہ پہلے خود اچھا ہوگا اور برے کاموں سے باز رہتا ہوگا خدا کی مدد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے دین حق کی مدد کی جائے۔ جو لوگ حق کی مدد کے لئے اٹھتے ہیں خدا ان کی مدد فرماتا ہے ان آیتوں سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں خدا کے قانون کے اجراء کی طاقت ہونی چاہئے چنانچہ اسلام میں سارے حدود و تعزیرات اسی منشاء کے مطابق زنا کی حد میں فرمایا۔

ولا تاخذکم بھما رأفۃ فی دین اللہ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر۔ (نور ع ۱) — اور تم کو ان دونوں (زانیوں) پر اللہ کی حد جاری کرنے میں کوئی ترس نہ آوے اگر تم اللہ اور پچھلے دن پر یقین رکھتے ہو۔

سود کے اسلامی قانون کو جو نہ مانے اس کو اللہ اور رسولؐ سے لڑائی کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ (البقرہ ع ۳۸) — تو اے سود کھانے والو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے خبردار ہو جاؤ۔

اسی لئے نجران کے عیسائیوں سے آپ نے صلح کا جو معاہدہ کیا تھا اس کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر وہ سودی لین دین کریں گے تو یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ (سنن ابی داؤد)

سبحان اللہ سبحان اللہ

مولانا سید محمد ثانی حسنی

حمد سرا ہیں سنبل و ریحاں انجم و ماہ و مہر تاباں
شمع شبستاں صبح درخشاں ہر دل شاداں ہر لب خنداں

اللہ اللہ سبحان اللہ
سبحان اللہ سبحان اللہ

صحن گلستاں کی ہریالی پتہ پتہ ڈالی ڈالی
قمری و بلبل گلچیں مالی سب کے لبوں پر ذکر جمالی

اللہ اللہ سبحان اللہ
سبحان اللہ سبحان اللہ

ذکر یہی ہے مرغ چمن کا لالہ و گل کا سرو و سمن کا
نیل و فرات اور گنگ و جمن کا ساحل و طوفاں کوہ و دمن کا

اللہ اللہ سبحان اللہ
سبحان اللہ سبحان اللہ

رعد ھی بارش بجلی بادل دریا صحرا گلشن جنگل
پھول کلی پھل غنچہ کونپل نغمہ سرا ہیں ہر دم ہر پل

اللہ اللہ سبحان اللہ
سبحان اللہ سبحان اللہ

محو ثنا فقر و سلطانی حاضر و غائب باقی و فانی
قول و عمل الفاظ و معانی آگ و ہوا اور مٹی پانی

اللہ اللہ سبحان اللہ
سبحان اللہ سبحان اللہ

حمد سرا اور مست و غزلخواں توراۃ انجیل اور قرآں
حور و غلماں مالک و رضواں جن و ملائک انساں حیواں

اللہ اللہ سبحان اللہ
سبحان اللہ سبحان اللہ

شبلی و رازی حافظ جامی ہندی ترکی مصری شامی
بے کس و عاجز نامی گرامی سب کے لبوں پر ذکر دوامی

اللہ اللہ سبحان اللہ
سبحان اللہ سبحان اللہ

بزم ہے اس کی بزم ہستی اس کی بلندی اس کی پستی
دین ہے اس کی کیف و مستی ذکر ہے اس کا بستی بستی

اللہ اللہ سبحان اللہ
سبحان اللہ سبحان اللہ